رجسٹرڈ نمبر ایل ۲۶۲۹
۷۸۶
من عرف نفسہ فقد عرف ربہ
جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا
لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار
مجلہ ایمانیہ
عرفان
بھریلی
معارف مذہب حقہ کا مخصوص ماہانہ رسالہ
چندہ سالانہ
تین روپے (۳ر)
چندہ ششماہی
ایک روپیہ بارہ آنہ
ہر متلاشی حق کے
مطالعہ کا بہترین سلسلہ
بحمد للہ
ہر تیسویں دن پابندی اوقات کے ساتھ
وسط ماہ انگریزی میں بھریلی (سادات) ضلع انبالہ سے
زیر ادارت
حکیم السید ذاکر حسین اختر
شائع ہوتا ہے
سید ذاکر حسین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر نے اقبال پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع کرا کے بھریلی ضلع انبالہ سے شائع کیا
S.M. ALA.H

قواعد و ضوابط

(۱) یہ رسالہ ہر انگریزی مہینہ کے دوسرے ہفتہ میں شایع ہوا کریگا۔

(۲) نمونہ کا پرچہ چار کا ٹکٹ بھیجکر طلب کیجے۔

(۳) خط و کتابت کیلئے نمبر خریداری کا حوالہ ہونا چاہیے۔

(۴) جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ روانہ فرمایے۔

(۵) مضامین بشرط پسند بعد امتحان شائع کئے جائینگے لیکن ناپسند ہونے پر واپسی مضامین کی ذمہ داری دفتر پر عائد نہو گی۔

(۶) پرچہ کی روانگی میں حتی الامکان احتیاط کی جائیگی لیکن نہ پہنچنے کی حالت میں اگر اسی مہینہ اطلاع دیگئی تو پرچہ دوبارہ بھیجا جاسکتا ہے ورنہ ۴ کے ٹکٹ بھیجے جائیں اگر پرچہ دفتر میں موجود ہے تو بھیجا جاسکیگا ورنہ ٹکٹ واپس ہونگے۔

(۷) اندرون ہندوستان [illegible] ے چندہ سہ روپیہ پرچہ ہے۔ بیرون ملک کیلئے سالانہ ہے بذریعہ منی آرڈر ہونے چاہئیں وی پی روانہ نہیں ہوگا۔

(۸) خط و کتابت و ترسیل زر بنام منیجر رسالہ عرفان قصبہ بھرلی ضلع انبالہ ہونی چاہیے

اغراض و مقاصد

(۱) رد دہریت و نیچریت۔

(۲) حقائق اسلامیہ کا اعلان

(۳) نشر فضائل محمدؐ و آل محمدؐ

(۴) علوم اہل بیت سے مسلمانوں کو مانوس کرنا۔

(۵) روحانیت کی طرف دعوت

مشتہرین کو مژدہ

جو حضرات چاہتے ہیں کہ اپنے اشتہارات طبقہ امراء، روساء، تعلقداران، جاگیرداران و اکابر ملت تک پہنچائیں تو وہ فوراً عرفان میں اشتہار حاصل کرنے کی سعی فرمائیں۔ کیونکہ صرف تین صفحات اشتہارات کیلئے بڑھائے جانے بالفعل مطلوب ہیں۔ اجرت اشتہارات کے متعلق ابو الفضل سید خیر حسن صاحب منیجر زمین الواعظین مالک مطبع یوسفی دہلی سے خط و کتابت فرمائیں۔ باقی کل خط و کتابت و ترسیل زر بنام منیجر رسالہ عرفان قصبہ بھرلی ضلع انبالہ کے پتہ پر فرمائیں۔

انسان کا حق فطری کیا ہے؟

پابندی یا آزادی؟

انسان اپنے حقوق طلب کرتا ہے مگر فرائض سے غافل ہے۔ لینا چاہتا ہے مگر دینے سے منکر ہے۔ آزادی کا جویا ہے۔ مگر پابند ہونا نہیں چاہتا خواہش یہ ہے کہ حاکم ہی بنوں محکوم نہ ہوں۔ مطاع مطلق ہوجاؤں اور کسی کی اطاعت کا بار مجھ پر نہ رہے۔ لیکن ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ یہ دو پایہ حیوان کس بنا پر کہہ رہا ہے کہ "آزادی انسان کا فطری حق ہے" فطرت کی کونسی دلیل اسکو مل گئی اور اس نے راز فطرت کی کہاں تک گرہ کشائی کی ہے؟

فطرت کسے کہتے ہیں۔ اسکا مفہوم کیا ہے؟ اس کے معنی کیا ہیں۔ اس مرحلے میں ہمیں پہلے اہل لغت کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔

واضح ہو کہ لغت میں فطرت کے معنے ابتداع۔ اختراع ابتدا۔ خلق۔ وغیرہ ہیں۔ ان معانی پر نظر کرتے ہوئے ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ انسان کی ابتدائی حالت کیا ہے۔ اسکی اختراع کونسے اسباب کے تحت واقع ہوئی ہے۔ اس کی خلقت

ہیں کس شے کو نطفیت ہے۔ کن نے حالات میں اس کو
گردشیں دی گئی ہیں۔ اس کا ماحول کیا تھا۔ کیا ہے۔ اور
کیا ہوگا۔

دورہ جاؤ۔ ابتدائی نطفیت کی حالت سے پہلو۔ ایک
حالت سے دوسری حالت میں بدلا گیا۔ مکان محفوظ کا محتاج
تھا اسے دیا گیا۔ غذا کی ضرورت تھی اسے پہنچائی گئی۔ ایک نظام
خاص اور تربیت خاص کا پابند رہا۔ ہر ہر نفس پابند رہا۔ کیا رحم
مادر میں آزاد تھا۔ تاریک پردوں میں سے آزادی تھی؟ لاکھوں
میں ستھرا ہو آزادی کا نعرہ بلند کر رہا تھا۔ اب اس نے رحم مادر
سے سر نکالا۔ پابندی کی حالت تھی یا آزادی کی۔ حیوان
آزاد ہے۔ پیدائش کے وقت کسی اصول کا پابند نہیں مگر انسان
پابند ہے۔ اور جسقدر تمدن بڑھتا جاتا ہے۔ اسیقدر پابندی
بڑھتی جاتی ہے۔ قابلہ کی ضرورت۔ ڈاکٹر کی حاجت لباس
کا پابند۔ مناسب مقام کا پابند۔ یہ انسان کی فطرت ہے۔
حالت ابتدائی ہے۔ آپ بتایئے کہ یہاں اس عالم میں اس
دور اولین میں۔ ان کوائف ابتدائی میں کہیں آزادی کی
جھلک ہے۔ کہیں آزادی کی نمود ہے۔ آگے بڑھیئے۔ تعلیم
کا محتاج۔ تربیت کا محتاج۔ ہر ہر قدم پر محتاج۔ یہی احتیاج
ہے جسکا نام پابندی ہے۔ اسی احتیاج پر تمدن کی بنیاد ہے
یہ احتیاج نہ ہو یہ پابندی نہ ہو۔ تو تمدن کیسا؟ وہ محض ایک
مہمل لفظ ہے۔ اجتماع بشر ایک بے معنی چیز ہے۔ غرض
عالم طفولیت میں مربیوں کا پابند۔ موذیوں کا پابند۔
استادوں کا پابند۔ ماں باپ کا پابند۔ حتی کہ لہو و لعب کا
پابند۔ آزادی کی شکل کہاں دیکھی۔ اب عقل و ہوش کی نمود ہوئی
بلوغ کا زمانہ آیا۔ اچھے برے کی تمیز پیدا ہوئی۔ نیک و
بد میں امتیاز کا وقت آیا۔ فرائض کا بار سامنے آگیا۔ دنیا
میں قدم رکھا۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑا۔
غرض اس کشمکش میں وہ وقت آگیا جبکہ ہر متنفس ٹھہرا پابند
ہے۔ فرمایئے۔ انسان کی حالت اول سے لیکر آخر تک
نظر دوڑایئے۔ اس میں کہیں آزادی کا شائبہ ہے۔ کہیں اس
لفظ کے معنی دستیاب ہوتے ہیں۔ گردش لیل و نہار کے
پابند کو آزادی کہاں حتی الکہ جو افعال انسان اپنے اختیار
سے بجا لا رہا ہے۔ عقلا کے نزدیک وہاں بھی یہ کیفیت
ہے کہ۔

در عین اختیار مرا اختیار نیست

فالانسان مجبور علی الاختیار۔ انسان مختار ہے
مگر اس اختیار پر مجبور ہے۔ عقل رد کرتی ہے اس امر کو کہ
انسان کو تفویض محض کے سائے میں پرورش پاتے ہوئے
دیکھے فطرت انکار کرتی ہے اس بات سے کہ انسان کو
مختار مطلق تسلیم کیا جائے جسطرح کا جبر صحیح ہے
اسیطرح لا تفویض بھی یقیناً صحیح ہے۔ آئین مشاہدہ
فطرت کے ملی آئیں اور بتائیں کہ آزادی کہاں ہے؟

کہیں ہے؟ کسی عالم میں ہے؟ مخلوق اور آزاد بندہ اور آزادی۔ قفس خاکی کا اسیر اور دعویٰ آزادی۔ تخلیق کے جال میں پھنسا ہوا پرندہ کہتا ہے کہ میں آزاد ہوں۔ اگر پابندی کا نام آزادی ہے تو رات کا نام دن رکھ دیجئے اور کہہ دیجئے کہ لامناقشۃ فی الاصطلاح۔ لیکن عقل اسپر ہنسے گی وہ پکارے گی کہ ہوش میں آ۔ زہر کو امرت نہ سمجھ۔ جب تک میں ہوں۔ آزادی کیسی نہیں میرے جانے کے بعد بھی تو آزاد نہیں۔

کیوں جناب! یہ پابندی اوقات کا وعظ کیوں ہے پابندی آداب کا موعظ کس لئے ہے۔ پابندی قانون کی پرزور تحریک کس غرض سے۔ فیشن کی پابندی پر کیوں دم دیا جا رہا ہے۔ غرض یہ قول ہرگز عاقل کا قول نہیں ہو سکتا کہ انسان کا فطری حق آزادی ہے۔ اسکا حق فطری پابند ہے اور ہر ہر امر میں پابندی۔ ترقی انسانی مضمر ہے کہ اس کی پابندیاں بڑہتی جائیں۔ نہیں یہ فطرۃً پابند خلق ہوا ہے

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

جن وانس کی فطرت میں عبدیت موجود ہے۔ اسی لئے اس پر یہ بار رکھا گیا ہے کہ وہ جب فطرۃً اپنے آپ کو پابند دیکھ رہا ہے۔ پھر کیوں عبدیت کا اقرار زبان سے نہیں کرتا اور کیوں اس کے حرکات و سکنات سے عبدیت اختیاری ظاہر نہیں ہوتی۔ اب مدعی آزادی اس عبدیت فطری کو توڑ ڈالیں تو جانیں۔

اسلامی تعلیم جو عین فطرت ہے اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان پابند ہے اور اسے پابند رہنا چاہیئے۔

یا من ھو کل شیٔ فی قبضۃ قدرتہ اسیر

وہ ذات مقدس اقدس بحت۔ تمام چیزیں اسی کے قبضہ قدرت میں اسیر ہیں۔ انکار کرنا چاہتے ہو؟ شوق سے کرو۔ لیکن ایک بے نتیجہ چیز ہے۔ یہ دام اسیری ایسا ہے کہ بائی محال اور قطعاً محال۔

غرض مشاہدہ فطرت بتا رہا ہے کہ ہم اسیر ہیں۔ پابند ہیں۔ قیدی ہیں۔ عبد ہیں۔ اور حقیر عبد ہیں۔ اب ہم دیکھیں کہ ہم جس آزادی کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس سے ہم کیا مراد لیتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ بیوقوف سے بیوقوف بھی آزادی مطلق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ حیوان بھی آزاد مطلق نہیں ہے۔ بلکہ یوں کہو آزادی مطلق مخلوق میں ہے ہی نہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھکر خدائے دہریت مادہ اور قوت کا نظارہ کرو۔ وہاں بھی سوائے پابندی کے اور کچھ نہیں۔ اس کے خلاف دعویٰ کرنا سفاہت کی دلیل ہے۔ پھر ایسی صریحی فطریات کے ہوتے ہوئے "آزادی" (الوہیت) سے ہمارا مطلب کیا ہے۔

میں یہ دلخوش کن جواب دیکھ چکا ہوں۔ اس کی تعبیر کا متلاشی رہا ہوں۔ میں نے حقیقت سمجھا کیا، مگر ایک

متعبر کامل ملگیا اسنے بتایا کہ اضغاث و احلام کی تعبیر نہیں ہوا کرتی اتجھ میں ہی چونکا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ حریت خیال یعنی چہ۔ حریت فکر چہ معنی۔

واضح ہو کہ "حریت خیال" اور "حریت فکر" نہایت دل خوش کن لفظ ہیں لیکن بقول میرے ایک محترم دوست بلکہ رہنما فاضل ایرانی ادام اللہ بقائہ کے کہ جس زمانے میں معقولات کی بنیادیں شاعری پر رکھدی جائیں وہ زمانہ نہایت مخدوش زمانہ ہے۔ دلیل و برہان کی عزت اور شرافت زائل ہو جاتی ہے، علوم مٹ جاتے ہیں۔ سیر عقل نہایت محدود ہوتی ہے اور انجام کار شعر کا نام فلسفہ رکھدیا جاتا ہے۔

فی الحقیقۃ میں اس قول کی صداقت مشاہدہ کر رہا ہوں "حریت خیال" اور "حریت فکر" اور پردہ ہی حق فطری۔ کوئی دلیل۔ کوئی برہان۔ کوئی قاعدہ۔ کوئی قانون۔ کوئی منطق۔ کچھ بھی نہیں۔ لفظوں کا بنا ہے کہ لگ رہا ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقۃ ہے کہ انسان اپنے ماحول کا ترتیب یافتہ ہے، حالات گرد و پیش کے گہوارے میں اسکی نشو و نما ہوتی ہے۔ یہ ماحول جیسا بھی ہوگا اور یہ حالات جس نوعیت کے ہونگے، وہی نوعیت، وہی کیفیت اسکے باطن میں نقش پذیر ہوگی۔ نفس انسانی ایک ورق سادہ کی حالت میں وارد دنیا ہوتا ہے۔ اسپر جیسے نقش کھنچ جائیں گے۔ عادات۔ اخلاق۔ خصائل، روحیات اذکار، خیالات۔ سب ماحول کے تابع ہیں۔ مظہر حکمت مطلقہ حکیم عالم، پیغمبر عربی روحی الفدا کا یہ ارشاد ایک محکم قانون ہے۔

فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ بچے کے ماں باپ اسکو یہودی بنائیں۔ نصرانی بنائیں۔ مجوسی بنائیں وہ بن جائیگا۔ پس اس حریت فکر و خیال کے دعوے کو اگر جانچا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم اسمیں اپنے ماحول کے پابند ہیں۔ اس سے غرض نہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے لہذا اگر دعویٰ آزادی ہے تو پہلے اپنے ماحول کی زنجیر کو قطع کیا جائے، پھر گفتگو کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ لیکن ایک مبتلائے ماحول سے خطاب ایک عبث خطاب ہے میں بذات خود اس شخص کو برا نہیں سمجھتا جو عقل کے بازووں سے اڑتا ہے یا اڑنا چاہتا ہے اور اپنے ماحول سے بلند ہوتا ہے۔ خواہ وہ اسلام سے ہی الگ کیوں نہ ہوتا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ عقل کے بازو رکھتا ہو وہمیات اور شعریات کو عقل نہ سمجھتا ہو۔

اب ہم پھر متوجہ ہوتے ہیں اور حریت فکر و خیال کے معنی تلاش کرتے ہیں اگر اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں کریں، کوئی ہمارا سد راہ نہ ہو، کسی کو روک ٹوک کا حق حاصل نہیں تو یہ تو ایک عجیب و غریب معنی ہونگے

اگر یہ مقصد صحیح مان لیا جائے تو پہلا سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ اس بے لگامی اور گسستہ مہاری سے اگر تمدن کو ضرر پہنچے اگر دوسرے افراد کے حقوق ضائع ہوں۔ اگر بنی نوع انسان کے لئے مضرت متصور ہو تو آیا عقلائے زمانہ مجھے یا کسی اور فرد کو اسکی اجازت دے سکتے ہیں؟ میں تو دیکھتا ہوں کہ اس قول سے عقل کانوں میں انگلیاں دے لیتی ہے۔ افراد انسانیہ میں سے کوئی فرد اسکی مجاز نہیں ہے کہ جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے۔ کیا متمدن حکومتوں کا قانون اسکی روک تھام کے لئے تیار نہیں ہے۔ ضرور ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ رستہ بھی بند ہے۔ حریت خیال کے پاؤں میں پابندی کی زنجیریں پڑی ہیں آیئے دوسرے معنی تلاش کیجے۔ پرانے رسم و رواج سے آزاد ہونا۔

واضح ہو کہ رسم و رواج کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ رسم و رواج کسی قوم کی خصوصیات میں داخل ہیں۔ ایسی رسوم اس قوم کی فی الحقیقۃ عملی تاریخ ہوا کرتی ہیں اور ان کے مٹ جانیسے گویا اس قوم کی تاریخ کا ایک بہت بڑا حصہ محو ہو جاتا ہے۔ کوئی قوم کبھی تجویز نہ کریگی کہ وہ اپنی کسی خصوصیت کو ضائع کرے ہاں اسے اگر دوسری طرف جذب ہونے کی تمنا ہے تو یہ دوسری بات ہے لیکن ضل ایک اور ہے کہ ایک قوم کے رسم و رواج سے ایسی فرد ہاتھ اٹھا یگی مگر دوسری قوم میں جذب ہو کر اسکی خصوصیات کو اختیار کرنا پڑیگا۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ قطعاً کسی رسم و رواج کو اختیار نہ کرے۔ غرض ایسی رسوم سے آزاد ہونا جو کسی قوم کی خصوصیات ہیں اس امر کا مرادف ہے کہ یہ قوم کسی دوسری قوم میں جذب ہونا چاہتی ہے۔ انفرادی حیثیت ہو یا مجموعی۔ دلیل سب کے لئے یہی ہے اور اسی دلیل کو پیش کرکے ہم فرد واحد سے یا مجموعہ افراد سے سوال کر سکتے ہیں کہ آیا حریت فکر کا یہی مفہوم پیش نظر ہے۔ اگر ایسی خواہش ہے اور یہی نظریہ ہے تو بسم اللہ کسی کا جبر نہیں ہے۔ لیکن صرف اتنا کہا جائیگا کہ اسے آزادی نہ کہئے ہاں یہ فرمایئے کہ ہم ایک زنجیر کو توڑتے ہیں اور دوسری پہنتے ہیں۔ یہ تسخر صحیح نہیں ہے کہ ادعائے معقولات کرتے ہوئے مرغی کا نام بیگم رکھ لیا جائے۔

رسم و رواج کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی ملک سے مخصوص ہوتا ہے اور اس رسم کی بدولت اس ملک کے احساسات و افکار پر ایک خاص روشنی پڑتی ہے۔ نہیں بلکہ خصائص ملکی۔ آب و ہوا۔ حالات طبیعی یہ سب نمایاں ہوتے ہیں۔ ایسی رسوم بعض اوقات قہراً اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ اسلئے کہ مقتضائے ملک یہی ہے اس منزل پر پہنچکر پھر وہی بات سامنے آتی ہے کہ مطلق العنانی

یہاں بھی مفقود ہے۔

تیسری صورت رسم ورواج کی یہ بھی ہے کہ انکا تعلق کسی قوم کی اقتصادی حالت سے ہوا کرتا ہے اور چونکہ اقتصادیات قابل تغیر ہیں۔ ان میں تغیر ہوتا ہے۔ ہوتا رہتا ہے۔ لہذا ایسی رسمیں بھی متغیر ہوا کرتی ہیں۔ لیکن یہ نہ فرمایئے کہ کلیتہً ہم رسم ورواج سے آزاد ہوگئے۔ تبادلہ کا نام حریت نہیں ہے۔

افسوس ہے انتہائی کنج کادی اور جدوجہد کے بعد ہم جس منزل میں اس تماشئی جوہر یعنی آزادی کو تلاش کرتے ہیں وہی پابندی سامنے آتی ہے۔ حتی اینکہ اگر لباس سے ہم آزاد ہوجائیں، جیسا کہ بعض افراد انسان ہوچکے ہیں تو برہنگی کی پابندی سے تو آزاد نہیں ہوسکتے۔ دعویٰ ہے تو ہوکر دکھایئے لیکن یہ ضرور کہا جائیگا کہ مندرجہ بالا صورتیں اول تو زیر بحث آتی نہیں اور آتی بھی ہیں تو بہت کم اور اس بحث میں نہ اتنا شوروغل ہوتا ہے اور نہ کچھ زیادہ دلچسپی ہی ہوتی ہے چند روز کے لئے فضا میں ایک تموج سا ہوتا ہے اور پھر سکون ہوجاتا ہے۔

ہاں رسم ورواج کی ایک اور صورت ہے۔ جسے مذہب سے تعلق ہوتا ہے بلکہ اس کو رسم یا رواج کہنا بھی غلط ہے یہ تو احکام ہیں جن کا تسلیم کرنا علمی و عملی حیثیت سے اسوقت تک یقیناً ضروری ہے۔ جب تک انسان اس مذہب میں داخل رہتا ہے۔ باقی یہ تو کھلا ہوا نفاق ہے۔ کہ انسان کسی مذہب میں شامل بھی ہو اور پھر اسکے احکام کا تمسخر بھی اڑائے یا یہ کہے کہ میں فلاں حکم مانتا ہوں اور فلاں نہیں مانتا۔

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض

کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ مذہب اسی کو نفاق کہتا ہے جو ایک قسم کا کفر ہے۔ اور دنیوی حکومت ایسے شخص کو سزا دینے کیلئے بالکل آمادہ ہے۔ تجربہ کر لیجئے۔ کسی دفعہ میں ماخوذ ہوجائے اور پھر جج سے کہئے کہ تعزیرات ہند کی فلاں دفعہ کو میں قبول کرتا ہوں اور فلاں دفعہ میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر جج ذرا غور کریگا تو ایسے سفیہ کو دوہری سزا دیگا ایک اس امر پر کہ جرم کیا دوسرے اس پر کہ اسے جرم تسلیم نہیں کرتا۔ بالفاظ دیگر گویا باغی ہے۔

اس بحث میں چاروں طرف نگاہ دوڑاتے ہوئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آزادی اور گسستہ مہاری کے لئے جسقدر جدوجہد ہے وہ صرف مذہبی احکام کے مقابل ہے۔ پس حریت فکر و خیال کا مفہوم اگر کوئی ہے یعنی تجویز کیا گیا ہے وہ یہی اور صرف یہی ہے کہ احکام مذہبی کا بار ہم سے اُٹھ نہیں سکتا ہم اس بار سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔

اچھا اب ترتیب مقدمات و نتائج یوں ہونی چاہئے۔

(۱) انسان پابند فطرت ہے۔

(۲) فطرت آزاد ہے۔

لہٰذا انسان کو آزاد ہونا چاہئے۔

(۱) مذہب پابندی ہے۔

(۲) پابندی خلاف فطرت ہے۔

لہٰذا مذہب خلاف فطرت ہے۔

بس یہی ہے یا کچھ اور۔ حریت خیال و فکر سے اگر کچھ مفہوم مراد ہے تو یہی ہے اور میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اسکے سوا اور کچھ نہیں۔ اول تو میں یہ دعوٰی کا تسلیم ہی نہیں کرتا کہ ان شاندار اور خوشنما الفاظ سے کچھ اور مراد ہے اور اگر کچھ اور ہے تو مجھے خواہ مخواہ اصرار بھی نہیں۔ نہ اپنی فہم پر ناز اور نہ عقل پر۔ لیکن اسے میدان میں آنا چاہئے۔ اسکی حد مقرر ہونی چاہئے اسکے بعد اسپر نظر کی جاسکتی ہے۔

یہ امر طے ہونے کے بعد کہ جسقدر جد وجہد اور سعی و کوشش ہے وہ سب احکام مذہبی کے مقابل ہے۔ اور جتنی مخالفین ہیں وہ سب مذہب کیلئے ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مذہب کا وہ کونسا جزو ہے جس سے سبکدوش ہونا ضروری محسوس کیا جاتا ہے۔

واضح ہو کہ مذہب (دین) کے دو جزو ہیں (۱) علمی (۲) عملی۔ یا یوں کہئے کہ اصول و فروع اور یہ دونوں جزو لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے انکار سے حتماً دوسرے کا انکار لازم آتا ہے۔ اب ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ آخر کونسے جزو کی گرانباری انسان سے اٹھ نہیں سکتی میں جہاں تک غور کرتا ہوں یہی دیکھ رہا ہوں کہ اصل بحث جزو اول میں ہے اور فروع چونکہ تابع اصول ہیں۔ لہٰذا جب اصول میں لغزش ہو گئی تو فروع میں تو یقیناً ہوگی۔ قلب کا اختلاج تمام اعضا کو ان کے افعال سے محروم کر دیتا ہے۔ اب اس امر کی بھی تشخیص کر لینی چاہئے کہ جزو اول کا کونسا نقطہ معرض بحث میں آیا ہوا ہے۔

اہل بصیرت جانتے ہیں کہ جزو اول کی تین حالتیں متصور ہیں (۱) مبدء (۲) معاد (۳) رفتار انسان بین المبدء والمعاد۔

ظاہراً اسوقت مبدء و معاد کا انکار درپیش نہیں ہے اگرچہ ضمناً موجود ہے لیکن زیادہ تر بحث حالت سوئم میں نظر آتی ہے۔

میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ مبدء و معاد کے درمیان انسان کی رفتار جسکا تعلق اس حیات دنیوی سے ہے تمام فروع اسی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اس منزل میں عقل دیکھ رہی ہے کہ اصل عین فرع ہے اور فرع عین اصل۔ لیکن سردست اس کی توضیح و تشریح کی چنداں ضرورت نہیں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آجکل انسانوں کا ایک گروہ دعویدار ہے کہ اس رفتار میں ہم آزاد ہیں کہ جسطرح چاہیں اس منزل کو طے کریں۔ اہل مذہب کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ ہم یہاں پابند ہیں اور ایک ایک

قدم پر پابند۔ گروہ اول اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے اور گروہ ثانی بھی تو کیا یہ مناسب ہو گا کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے اسکا فیصلہ ہو اور اگر کوئی گروہ اسپر رضامند نہیں ہوتا تو اس سے مخاطبہ ہی بیکار رہو گا جب تک کہ وہ اپنے مسلمات نہ بتائے۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے جب دیکھا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا تعلق زیادہ تر اسی رفتار سے ہے۔ انبیا کی بعثت کا بہت بڑا مقصد یہی ہے کہ وہ اس رفتار میں انسان کے رہنما ہوں۔ اور اس رفتار کی اصلاح کریں پھر اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ہر حیثیت سے کامل ہے اور اسمیں کوئی امر جسکی انسان کو ضرورت پڑے فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم اس کا قول ہے۔ اب یا یہ تسلیم کریجیے کہ اسلام ناقص ہے اور اسمیں وقتاً فوقتاً اصلاح کی ضرورت ہے اور یا یہ مانئے کہ وہ کامل ہے۔ صورت ثانی میں تو کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ اب صورت اول کا اگر کوئی قائل ہے تو اسے صاف بیان کرنا چاہئے افسوس ہے کہ دعویٰ تو یہی ہے لیکن باوجود ادعائے آزادی کہنے کی جرأت نہیں کی جاتی اور اس مدعا کو طرح طرح کے رنگین لباس پہنائے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک فیشن ایبل لباس یہ ہے کہ فلاں حکم اسلامی حکم نہیں ہے۔ بلکہ حکم اسلامی یہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہو۔ ممکن ہے تغیرات زمانہ نے ہمارے بار کو دو ذی کر دیا ہو۔ ممکن ہے اسلامی حقیقت پر پردہ پڑ چکا ہو لیکن۔

هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين

واضح ہو کہ گروہ شیعہ کے لئے قرآن اور اہلبیت کے آثار صحیحہ جب تک موجود ہیں۔ اسوقت تک اسلامی حقیقت بالکل بے نقاب ہے۔ یہ بھی معلوم رہے کہ حریت خیال و فکر کا دعویٰ یہاں قطعاً نہیں چلے گا۔ ہاں استنباط میں آپ کو آزادی دی جائیگی اور پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ یہ استنباط صحیح ہے یا غلط۔

دعویداران حریت میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جنکی تعلیم محض اسکولوں اور کالجوں تک محدود ہے۔ انہوں نے اسلامی معاملات کو اگر دیکھا بھی ہے تو محض یورپ کی تیار کردہ عینکوں سے۔ یہ بیچارے اپنے ماحول سے متاثر ہو کر جو کچھ کہتے ہیں معذور ہیں۔ لیکن وہ لوگ بھی ہیں جن کے لباس اور لقب کو دیکھ کر دھوکا ہوتا ہے کہ انہوں نے معارف اسلامیہ کی سیر کی ہوگی۔ وہی فرمادیں کہ اسلام انسان کو نبوت کا تابع اور کلیۃً تابع قرار دیتا ہے یا کچھ اور بینوا فتوجروا۔

میرے دوستو! کس دام میں الجھ رہے ہو۔ نمایش کو حقیقت نہ سمجھو۔ ملمع کو کندن نہ جاؤ جھوٹے موتیوں کی چمک پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ دولت گئی۔ حشمت گئی شان و شوکت گئی ایک ایمان رہ گیا تھا اسے تو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

مبادا وقت آجائے اور نادم ہونا پڑے۔ هل ینظرون الا ان تاتیهم الملئکة او یاتی ربك او یاتی بعض آیات ربك۔ یوم یاتی بعض ایات ربك لا ینفع نفسا ایمانها لم تکن آمنت من قبل او کسبت فی ایمانها خیرا قل انتظروا انا منتظرون اب یہ لوگ صرف اسی بات کے منتظر ہیں کہ ملائکہ (عذاب) ان کے پاس آئیں یا امر رب آئے یا تیرے رب کی بعض نشانیاں آئیں (یاد رکھو) جس روز تیرے رب کی کوئی نشانی آگئی اس روز کسی نفس کو ایمان فائدہ نہ دیگا جسے اسنے پہلے سے قبول نہیں کیا اور اس نشانی کو دیکھکر ایمان لائیگا ہے) یا ایمان لایا مگر اکتساب خیر نہیں کیا ای پیغمبر انسے کہدیجئے کہ انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔

مسلک مرتضوی

اول الدین معرفتہ

مے نخوردہ و نشاید شور رہا

مجھے حیرت ہے کہ کیا کہنا چاہتا ہوں۔ کیوں کہنا چاہتا ہوں۔ اور کس کے سامنے کہنا چاہتا ہوں۔ افکار منتشر خیالات پریشاں۔ آرا متشتت۔ اذہان مشوش۔ عقول مکدر۔ اوہام مسلط۔ قلوب مضطرب۔ حقیقۃ گم۔ اصلیۃ نابود قال الصادق علیهم السلام ان الله عز وجل جعل الدین دولتین دولۃ لادم ودولۃ لابلیس فدولۃ آدم هی دولۃ الله عز وجل فاذا اراد الله عز وجل ان یعبد علانیة اظهر دولۃ آدم واذا اراد الله ان یعبد سرا کانت دولۃ ابلیس فالمذیع لما اراد الله ستره مارق من الدین۔

صادق آل محمد علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے دین کے لئے دو حکومتیں قرار دی ہیں۔ حکومت آدم اور حکومت ابلیس۔ حکومت آدم حکومت الٰہی ہے جب ارادۂ الٰہی کا تعلق ہوا کہ اسکی عبادت علانیہ کی جائے تو حکومت آدم کو ظاہر کر دیا اور جب ارادہ ہوا کہ اس کی عبادت پوشیدہ کی جائے تو حکومت ابلیس ہو گئی اب اس شے کا ظاہر کرنیوالا جس کے چھپانے کا خدا نے ارادہ کیا ہے۔ دین سے خارج ہے۔

حدیث مقدس کا عام فہم ترجمہ کر دیا گیا ہے اب "اظهر" اور "کانت" کا فرق اہل علم اپنے اپنے

مقام پر سمجھ لیں۔

شک نہیں ہے کہ زمانہ. زمانہ ابلیس ہے. قلب انسان یا عرش رحمانی پر اسوقت شیطان کا جلوس ہے۔ وقت۔ وقت خفا ہے۔ عصر. عصر باطن ہے۔ جو عباد حقیقی ہیں وہ عبادت الہی پوشیدہ ہی کر رہے ہیں وہ ہماری نظروں سے بھی پوشیدہ ہیں. اسی عالم میں ہیں مگر ہم نا اہلوں سے انہیں کوئی ربط نہیں. ابدانھم فی الدنیا وارواحھم معلقۃ بالملاء الاعلیٰ۔ ان کے جسم دنیا میں ہیں۔ مگر روحیں ملاء اعلیٰ کی سیار ہیں۔ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام انہیں کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں آہ! آہ! شوقاً الی رویتھم ان کے شوق دیدار کی تمنا میں بے اختیار قلب سے آہیں بلند ہوتی ہیں۔ فی الحقیقۃ وہ ہیں معرفت الہی کے گرہ کشا؟ وہی ہیں اس میدان کے سالک. مگر وہ۔ کہیں تو کس سے کہیں۔

شمس رسالت نے جب سے ظاہرا غروب کیا اسوقت سے اسرار اسلام وایمان خفا میں آتے رہے۔ وارثان۔ کمالات نبوی موجود تھے۔ جن میں اہلیت ہوتی تھی انہیں بتادیتے تھے اور تاکید ہوتی تھی کہ خبردار نا اہلوں کے سامنے زبان نہ ہلانا۔

جابر ابن یزید جعفی علیہ الرحمۃ سے حضرت باقر علوم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ کتاب "لے اسے یاد کر اور کسی سے اسکی روایت نہ کر جب تک بنی امیہ باقی ہیں۔ اگر اسکے خلاف کیا تو میری اور میرے آبا طاہرین کی تجھپر لعنت پڑیگی۔ پھر دوسری کتاب عطا کی اور فرمایا۔ اسکو ہی دل میں جگہ دے۔ اور کسی سے بیان نہ کر۔ ورنہ میری اور میرے آبا طاہرین کی لعنت میں گرفتار ہوگا۔

معلوم ہوا کہ ایک کتاب کی عدم اشاعت زمانہ بنی امیہ سے محدود تھی اور دوسری کتاب کے ہمیشہ سینے میں رکھنے کا حکم دیا گیا۔

ہجوم اسرار بھی عجب بلا ہے۔ عجب امتحان ہے۔ عجب ابتلا ہے۔ جابر کہتے ہیں۔ ایکروز میں نے خدمت امام میں عرض کیا کہ آپ نے اسرار احادیث کا ایک بار مجھپر رکھدیا ہے اور تاکید یہ ہے کہ کسی سے نہ کہنا میں دیکھتا ہوں کہ کبھی کبھی یہ اسرار سینے میں جوش کہاتے ہیں کہ دیوانگی کے قریب پہنچ جاتا ہوں۔ فرمایا جب یہ حالت پیدا ہو تو صحرا میں نکلجاؤ۔ گڑھا کہودو۔ اسمیں منھ ڈالدو اور کہو حدثنی محمد ابن علی بکذا وکذا۔ مجھسے محمد ابن علی نے ایسا ایسا بیان کیا۔

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مشہور ہے اناھھنا لعلماجما لو اصبت لہ حملۃ۔ سینۂ مقدس کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ اس جگہ علم کثیر موجود ہے کاش اس کا کوئی

اٹھانے والا ملتا۔

حضرت سید الساجدین سے یہ ارشاد منسوب ہے

ربّ جوہر علم لو ابوح بہ ۔ لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا۔ بعض جوہر علم ایسے ہیں اگر بیان کردوں تو کہا جائیگا کہ تم تو بت پرست ہو گئے۔

غرض اسرار ہمیشہ مخفی رہے ہیں اور رہیں گے حتی انکہ مظہر الوہیت کا دور دورہ ہو ؏

برسد زمان و دولت بکند خدا خدائے

لطف یہ ہے کہ ظاہر بھی ہیں مگر شدتِ ظہور ہی سبب خفا ہو جائے تو اسکا کیا علاج۔ آج قرآن ہمارے سامنے موجود ہے ہاتھوں میں موجود ہے۔ حافظوں میں موجود ہے مگر

حرف را بر زباں تواں راندن

جان قرآن بجاں تواں خواندن

پس وہ جان اور وہ روح کہاں سے لائیں جو روح قرآن کا مطالعہ کر سکے۔ ہمارے پاس سوائے حرفوں کے رکھا گیا ہے۔ زبانوں پر حرف آجاتے ہیں اور بس یہ بھی غنیمت ہے۔ وقت وہ آنیوالا ہے کہ قرآن کے حرفوں کا شناسا بھی اندھوں میں کانا راجا" کا مصداق ہوگا۔ فانا لله وانا الیہ راجعون

کجا بودم مرکب کجا تاختیم

دورہ ابلیسی میں ظاہری طور سے خدا پرستی یا خدا شناسی کا زبان سے نکالنا ہی اپنے آپ کو مسخرا بنانے کے مرادف ہوا کرتا ہے کجا کہ اس کے اسرار و غوامض تک رسائی حاصل کرنا اب وہ بیٹے ہی نہیں ہیں جو ان کے حامل تھے اور کہیں ہوں بھی تو وہ ہم سے ہمکلام کیوں ہونگے۔ ہمارے ہر قول و فعل سے انہیں کفر کی بو آتی ہے جسے ایمان کامل کی قوت شامہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتی لہذا اس میدان میں ہمارے پاس سوائے لفظوں کے اور کچھ نہیں ہے اور وہ بھی دوسروں کے اڑائے ہوئے ؏

حرف درویشاں بسے آموختند

منبر و محفل ازاں افروختند

خیر شتک اسرار کے مرتکب ہو کر ہم خارج من الدین تو ہو نہیں سکتے اسلئے کہ جب اسرار ہی اپنے پاس نہوں تو پھر انکی اشاعت و اذاعت کیسی۔ اب رہی نقالی اس سے محض اپنے لئے اور احباب کیلئے تشویق مطلوب ہے۔

میں نے یہ امر اکثر تجربہ کیا ہے کہ جب کبھی ہجوم افکار ستاتا ہے اور روزانہ ستاتا ہے۔ اسوقت اگر توفیق ہو گئی اور ارشادات اہلبیت کا مطالعہ میسر آگیا تو تھوڑی ہی دیر میں وہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ عجب کیمیا ہے۔ میں تصور کرتا ہوں کہ جب ہم کہ لفظوں سے آگے ہماری رسائی نہیں اور وہ بھی شرح ولغت کی مدد سے۔ تو وہ کہ جو معنویت اصلیہ کے حامل

صحیح ہونگے اور ہر وقت یہ نسیم بہاران کے گلزار قلوب وارواح میں چلتی ہوگی۔ انکا کیا عالم ہوگا۔

ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

مشکل ایک اور ہے کہ یہ چیز اکتساب سے نہیں آتی عمر بھر پڑھتے رہئے۔ اس دربار سے صدائے دورباش ہی آئیگی نہ یہاں منطق چلتی ہے نہ فلسفہ کام دیتا ہے نہ سائنس کا دخل ہے۔ نہ ہیئت سے کام چلتا ہے۔

ایھا القوم الذی فی المدرسۃ
کلما حصلتموہ وسوسۃ

مدرسہ والے اگر وساوس میں ہی گھرے رہیں رہنے دو اس سے یہ مقصد نہیں کہ تحصیل علم بیکار ہے۔ بڑی ضروری چیز ہے۔ جاہل نے یہاں قدم رکھا اور ٹھوکر کھائی ایسے امور میں یقیناً مبتلا ہوگا جو شریعت اہلبیت میں حرام ہیں اسے یہ خبر نہیں کہ

حیوان کنند طے منازل بہ زمزمہ
انسان اگر بہ نغمہ جہد کے کمال اوست

مطلب یہ ہے کہ حصولِ علم ظواہر میں ہی نہ الجھا رہے بلکہ ہمت کا قدم آگے بھی بڑھے۔ اور محبت کے بازوؤں سے اڑے۔ محبت کی آگ جتنی تیز ہوگی اسیقدر سرعت سیر میسر ہوگی۔ والذین آمنوا اشدُّ حُبًّا للہ اہل ایمان کی محبت الہی بڑی شدید اور تیز ہے۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلی ربھم یتوکلون۔ مومن وہی ہیں کہ جب انکے سامنے اللہ کا ذکر آیا۔ ان کے دل تڑپ اٹھے اور جب انپر آیات الہی کی تلاوت ہوئی انکا ایمان بڑھ گیا ان لوگوں کا توکل و تکیہ فقط اپنے رب پر ہے۔

لطیفہ۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ جب تجھ سے محبت الہی کا سوال کیا جائے۔ تو سکوت اختیار کر۔ نہ اقرار کر نہ انکار۔ انکار کرتا ہے تو کافر ہوتا ہے اقرار کرتا ہے تو جھوٹا ہے۔

خلاصہ مقال یہ ہے کہ راہ بہت سخت ہے۔ خضر خضر اکی ہی نظر التفات ہو اور وقت واپسیں ہی اس بحر کا کوئی چھینٹا پڑ جائے تو سب کچھ ہے اور نہیں تو اگر بالفرض جنت میں بھی چلے گئے تو وہاں کیا رکھا ہے۔ کھاؤ۔ پیو۔ پڑے رہو۔ اگر ہمت ہے تو اس جنت کی تمنا کرو۔ جہاں نہ حور نہ قصور۔ نہ نہریں نہ باغات۔ بس ہو کا میدان ورضوان من اللہ اکبر رضوان الہی بہت بڑی چیز ہے آیئے اب معدنِ ولایت کی زبان سے جو لسان اللہ کہلاتی ہے نکلے ہوئے فقرات

پر غور کریں۔ جس کی ابتدا یہ ہے۔ اول الدین معرفتہ۔ دین کی پہلی چیز معرفت الہی ہے۔

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ اقرار صانع ایک فطری چیز ہے۔ بحث اگر ہوتی ہے تو ان امور میں ہوتی ہے کہ وہ ایک ہے یا دو یا زیادہ۔ کیا ہے۔ کیسا ہے۔ کب سے ہے۔ کہاں ہے۔ باقی اصل شے سے انکار نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ نہ ہوگا۔ بقول مولانا حالی مرحوم

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

فالوجود احق الاشیاء بالتحقق لان غیرہ بہ یکون متحققا کائنا فی الاعیان و فی الاذھان وجود بحت خالص دوسری اشیا پر نظر کرتے ہوئے اثبات کا بہت زیادہ استحقاق رکھتا ہے کہ اس کا تحقق تسلیم کیا جائے اسکی موجودیت سب سے بڑھکر مانی جائے اسلئے کہ دوسری اشیا جسقدر ہیں وہ سب اسی سے متحقق ہوتی ہیں ان کی ہستی اسی سے وابستہ ہے وہ اشیا عینی ہوں۔ یا ذہنی۔ وجود خارجی رکھتی ہوں یا وجود ذہنی۔ غرض عالم میں وجود کی حکومت ہے۔ سلطان وجود کے سامنے سب مقہور ہیں عنت الوجوہ للحی القیوم

وجودات مقیدہ ناقصہ سب شمس وجود حقیقی کی شعاعیں ہیں۔ قیام اشیا اسی کی قیومیت کا تابع ہے۔ اسی کے سہارے پر ہر شے انا انا کا دم بھر رہی ہے ہشتق اپنے مصدر کو فراموش نہیں کر سکتا۔ دیکھے گا۔ ضرور دیکھے گا۔ حجابوں میں سے ہی سہی۔ پس انبیا علیہ السلام کی بعثت اسلئے نہیں ہوئی کہ وہ اصل وجود کو منوائیں یا صانع عالم کا اقرار کرائیں یہ تو ایک فطری شے ہے بت پرستوں کا قول پہلے بھی تھا اور آج بھی ہے ومانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ ہم انہیں اسلئے پوجتے ہیں کہ ان کے وسیلے سے اللہ کی قربت میسر آجائے کسی بیدین اور دہریہ سے پوچھ کر دیکھو کہ تو نے خود اپنے آپ کو خلق کیا ہے۔ کبھی اقرار نہ کرے گا۔ کسی دوسری ہی ہستی کو بتائے گا۔ لیکن چونکہ راہ خطرناک ہے اوہام و وساوس ایک ایک قدم پر لغزش دینے کیلئے موجود ہیں شیطان خارجی ہر وقت سد راہ ہے۔ لاقعدن لھم علی صراطک المستقیم میں تیرے صراط مستقیم پر ضرور بیٹھوں گا اور انہیں روکونگا اسلئے بعثت انبیا و رسل کی بعثت جو بخت عدل وجود حقیقی ہے اسی واسطے ہے کہ اس فطرت کو کامل کر دیا جائے۔ اس کی تکمیل ہو جائے۔ اگر یہ فطری نہ ہوتا تو اس کی تکمیل کے کوئی معنے نہ تھے۔ کیونکہ تکمیل اسی شے کی ہوا کرتی ہے جس کا کچھ تو وجود ہو۔ عدم کیلئے تکمیل کہاں بعثت رسل ایک فعل عبث تھا۔ جیسا کہ انسان اصل فطرت میں وہ تمام قوائے ساتھ لیکر آیا ہے۔ جنہیں اس دنیا میں

اگر زیر تربیت مربی کمال میسر ہوتا ہے اسیطرح معرفت صانع اپنے ساتھ لیکر آیا ہے جو اول کل تصورات ہے اور اول کل ادیان بلکہ اول وجود انسان۔ کیونکہ نگاہ تحقیق میں خود وجود انسان زینۂ معارج عرفان ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کون ہے جو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا پس کون ہے جو اپنے رب سے انکار کر سکتا ہے۔ ان الصورۃ الانسانیۃ ھی اکبر حجۃ للہ وھی الصراط المستقیم صورت انسانی خود ایک زبردست حجۃ الٰہی ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔

مشکل ایک اور ہے کہ جسقدر اپنی معرفت آسان ہے، اور بدیہی ہے ہر شخص۔ انا انا۔ پکارنے کیلئے تیار ہے۔ اسیقدر مشکل بھی ہے یعنی ہر شخص اپنی معرفت سے خالی ہو، اتنا ضرور جانتا ہے کہ "میں نے یہ کام کیا" "میں نے کہا" "میں کہتا ہوں" "میں بولتا ہوں" مگر باوجود اس مشاہدہ وکثرادلت کے پھر بھی اپنے آپ سے غافل ہے۔ یہی حال معرفت صانع کا ہے۔ فطری ہے۔ جبلی ہے۔ خلقی ہے تکوینی ہے بدیہ ترین اشیا ہے۔ مگر جسقدر بدیہی ہے اسیقدر محتاج نظر ہے۔ یہ ایک غفلت ہے اور کچھ نہیں ہم ایک شخص سے اگر روشنی میں سوال کریں کہ تمہارے سامنے کیا ہے؟ وہ فوراً کہے گا کہ دیوار ہے در ہے۔ انسان ہے۔ حیوان ہے۔ شجر ہے۔ حجر ہے۔ لیکن اس روشنی سے غافل ہو گا جو نمایندہ اشیا ہے۔ ہر میدان میں انسان کی غفلت کا یہی علم ہے۔

یہی حجاب ہیں۔ یہی غفلتیں ہیں جنہیں بعثت انبیا ورسل کی روشنی سے زائل کیا جاتا ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے وکمالُ معرفتہ توحیدہ۔ کمال معرفت یہ ہے کہ اسے یگانہ تسلیم کیا جائے۔

مطلب بالکل واضح اور صاف ہے کہ معرفت الٰہی فطری ہے جبلت انسان میں مذکور ہے۔ وجود انسانی کے ساتھ ساتھ لپٹی ہوئی ہے۔ رفیق وجود بشر ہے۔ بلکہ اصل فطرت عالم ہے۔ ان من شئی الا یسبح بحمدہ۔ تسبیح ہر شے اسی معرفت کی شاخ ہے۔ لیکن اسکی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ مربی کی تربیت کا سایہ پڑے۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ توحید صانع کو بھی جو لوگ فطری کہتے ہیں۔ کچھ غلط نہیں کہتے مانا کہ توحید کیلئے ادلہ قائم کئے جاتے ہیں لیکن ان دلیلوں کا مفاد صرف کشفِ حجاب ہے صرف تنبیہ ہے۔ توجہ دلانا ہے۔

حقیقۃً دلیلیں صرف کشف حجاب اور تنبیہ کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ والّا اس کے لئے دلیل کہاں۔ وہ ذات مقدس اقدس احتیاج دلیل و برہان سے غنی ہے یا من دل علی ذاتہ بذاتہ اپنے لئے وہ خود ہی دلیل ہے ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

قال سید الشہدا علیہ السلام کیف یستدل علیک بما ھو فی وجودہ مفتقر الیک۔ اس شے کو کیونکر تیرے لئے دلیل قرار دیا جائے جو خود اپنے وجود میں تیرے دروازے کی فقیر ہے۔ متی غبت حتی تحتاج الی دلیل یدلّ علیک تو کب غائب ہوا جو تجھے کسی دلیل کا محتاج قرار دیا جائے۔ متی بعدت حتی تکون الآثار ھی التی توصل الیک تو دور کب ہے جو آثار تجھ تک کسی کو پہنچائیں عمیت عین لا تراک اندھی ہے وہ آنکھ جو تجھے نہیں دیکھتی وخسرت صفقۃ عبد لم تجعل لہ من حبک نصیبا اس شخص کی تجارت نہایت خسارے میں ہے جسے تو نے اپنی محبت کا حصہ نہیں دیا۔

توحید صانع پر ایک مختصر و متقن دلیل جو گویا ایک قسم کی فطری دلیل ہے جو کشف حجاب کے لئے بہت کافی ہے اور سالک کیلئے ابتدائی منزل میں زاد راہ ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ نظام موجودہ عالم ایک ایسا نظام ہے کہ اگرچہ وہمیات کی بدولت ہم اسمیں نقص کے پہلو نکالیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ ہر حیثیت سے کامل ہی کامل ہے خالی دعووں کی سند نہیں۔ صورت انسانی سے بہتر کوئی نقشہ کھینچ کر دکھا دو۔ نہیں یہ نظم تو فرض کر لو کہ غلط ہے۔ اس سے بہتر کوئی نظم تلاش کر دو سیاروں کے لئے کوئی اور محور ڈھونڈو اور اس زمین و آسمان کی جگہ کسی نئے زمین و آسمان کی وضع۔ ترکیب۔ حرکت۔ وغیرہ کی تصویر کھینچو۔ دیکھیں صناعان عالم کی کوشش کہاں تک کامیاب ہوتی ہے نظام موجودہ کے خلاف کا تصور بھی محال اور ممتنع ہے غرض اس نظام کے ہر کمال پر نظر کرتے ہوئے عقل ہدایت کرتی ہے کہ صانع بھی کامل ہونا چاہئے اور بالفعل کامل ہونا چاہئے یعنی کوئی کمال اسکا بالقوۃ نہ ہو حالت منتظرہ نہ رکھتا ہو ورنہ اس حالت منتظرہ پر نظر کرتے ہوئے اسے بالفعل ناقص ماننا پڑیگا غرض کامل مطلق وہ ہو جسکے تمام کمال بالفعل ہوں پس جب سے کامل بالفعل مان لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ وہ واحد ہو۔ از روئے ذات بھی اور صفات کے لحاظ سے بھی۔ اسلئے کہ اگر اسکو واحد نہ مانا جائے تو اس کے یہ معنے ہونگے کہ اسکا مثل وجود ہو یا ہو سکتا ہے۔ اور جب عقل کے سامنے ایسی دو ہستیاں پیش کی جائیں کہ ایک بے مثل ہے اور دوسری کا مثل و نظیر موجود ہو تو وہ اسے ہی کامل کہے گی جو بے مثل ہو۔ اور بے مثل نہیں ہو مگر واحد۔ لہذا صانع عالم یگانہ و یکتا ہے۔ بیان مذکورہ کو مندرجہ ذیل قاعدہ سے مختصر کر سکتے ہیں۔

(۱) نظام عالم کی صنعت میں جلوہ کمال ہے۔

(۲) ہر مصنوع کامل اپنے صانع کے کمال کی دلیل ہے۔

لہذا ماننا پڑے گا کہ صانع عالم کامل ہے۔

(۱) کامل وہ ہے کہ جسکا مثل نہ ہو۔

(۲) اور وہ ذات جسکا مثل نہ ہو۔ واحد ہے۔

لہذا کامل یعنی صانع عالم واحد ہے۔

واضح ہو کہ اس تقریر کی بنا پر اگر کوئی شے قابل بحث ہوگی تو صرف یہ کہ آیا عالم مصنوع ہے یا خود بخود وجود میں آگیا۔ اس امر کے طے ہو جانے پر نتیجہ توحید تک یقیناً پہنچنا پڑے گا۔

اسی تقریر سے بہت سے امور خود بخود حل ہو جائینگے مثلاً وہ واجب الوجود ہے۔ واجب بالذات ہے۔ حی و قدیر ہے علیم و مرید ہے۔ سمیع و بصیر ہے۔ صادق و متکلم ہے غرض کل صفات کمالیہ کمال مطلق کے تحت ہیں۔ و جلال جمال اسی کمال کا پرتو۔

تنبیہ ضروری۔ واضح ہو کہ ہم اسی کو خالق تسلیم کرتے ہیں جو من کل الوجوہ کامل ہو اسمیں کوئی نقص و عیب بلکہ شائبہ نقص و عیب نہو۔ اسی کو ہم قدیم اور غنی کہتے ہیں قدم و غنا شارح کمال ہیں قدیم کے معنے ہیں جسکا کوئی مبدء نہ ہو خود بخود قائم ہو۔ اسی منزل میں قدم و غنا کی حدیں مل جاتی ہیں اور قدیم کیلئے غنی و بے نیاز ہونا ضروری ہے۔

وہ گروہ جو روح و مادہ کو قدیم مانتے ہیں اور اسکے ساتھ خدا کو بھی۔ وہ فی الحقیقۃ ایک قسم کے بحران عقلی میں مبتلا ہیں وہ تینوں کو ناقص تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ وہ صفات جو لازمۂ ذات ہیں ہمیشہ تابع ذات ہونگے۔ مثلاً ذات کو تسلیم کریں مگر اسے حیات سے خالی فرض کریں لغو محض ہے۔ حیات کو مانیں اور علم کو نہ مانیں مہمل بات ہے۔ علی ہذا حیات و علم کو قبول کریں اور قدرت سے منکر ہوں۔ بہت معقول۔ حیات و علم و قدرت کے قائل ہوں اور کہیں کہ وہ عضو معطل ہو مرید نہیں ہے۔ غرض جو ذات قدیم ہوگی لامحالہ یہ صفات جو ذات کے ساتھ ہیں قدیم ہونگی بلکہ یوں کہئے کہ عین ذات ہوں گی وحدت حقیقی میں تعدد کی گنجائش کہاں۔ پس ایسے وجود یعنی واجب الوجود و قدیم بالذات کی ان صفات کو ہمراہ وجود معائنہ کرتے ہوئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ غنی ہے۔ بے نیاز ہے۔

واللہ الغنی وانتم الفقراء

اب جسے بھی قدیم مانوگے لامحالہ اسے غنی و بے نیاز ماننا پڑے گا۔ اس نتیجہ کے بعد اب بتا دیجئے کہ اغنیائے ثلثہ کے کیا معنی ہیں۔ تین قدیم ہیں اور تینوں منزل قدم میں پسپا۔ ان لوگوں نے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم کو کہنگی کے معنی میں لے رکھا ہے۔ قدیم یعنی پرانا اور بہت پرانا۔ غرض تعدد قدما ایک لغو خیال ہے علاوہ ازیں سمجھنے کیلئے دلیل اول ہی کافی ہے فان الکامل من لا مثیل لہ و من لا مثیل لہ فھو الواحد فالکامل ھو الواحد۔ کامل وہی ہے جو بے مثل و مثیل ہو اور جو بے مثیل ہو وہ واحد ہے پس کامل واحد ہے اس مبحث میں اتنا ہی کافی ہے۔ مختصر و مفید۔

دفع دخل ۔ کہا جائیگا کہ جب معاملہ دلیل و برہان کا محتاج ہو گیا تو اب بدیہی و فطری کا دعویٰ کیسے چلے گا ۔ صحیح ہے مگر یہ دلیلیں محض وہمیات کا حجاب اٹھانے کیلئے ہیں ورنہ اصل شے اس سے بے نیاز ہے وہ روشن ہے منور ہے نور ہے ۔ نوق الانوار ہے ۔ فطرت کا معائنہ کرنا چاہتے ہو ۔ دیکھو ۔ مصیبت کے وقت دیکھو ۔ اسوقت تمام حواس ایک مبدء کی طرف رجوع کرتے ہیں یا اسوقت بھی دوئی کا تصور ہوتا ہے ؟ انسان جب تک عالم فرق و تفریق میں مبتلا ہے ۔ اسی تفریق میں الجھا رہیگا ۔ لیکن جہاں عالم وحدت میں آیا تمام حواس و قوائے ظاہری و باطنی ایک مرکز پر جمع ہوئے ۔ تفریق مٹی ۔ وحدت سے قریب ہوا ۔ اسوقت سوائے واحد واحد اور کسی طرف رجوع نہیں کر سکتا الغرض کمال معرفت توحید ہے ۔

نکتۂ عرفانی نظام عالم کا کمال اسوقت تک مشکوک رہیگا ۔ جب تک کسی ایسے کامل کا وجود تسلیم نہ کیا جائے کہ عالم امکان میں اس سے فوق کوئی کمال متصور نہ ہو اور عالم امکان میں انتہائی کمال یہ ہے کہ وہ شخص شخیص آئینۂ کمالات ہویت و الوہیت ہو ۔ ہم اسی ذات عالی کو صاحب العصر اور مالک الدہر کہتے ہیں ۔ اسکی تشریح پھر کبھی ۔ ایڈیٹر ۔ (باقی ۔ باقی)

حیات بعد الموت

(دسمبر سے پیوستہ)

جیسا کہ انکی زندگی میں کیا کرتا تھا ۔ مجھے یقین ہے کہ خود انہوں نے بھی مجھ سے باتیں کی ہیں اور اس بارے میں مجھے ذرا بھی وہم نہیں ہے ۔ یہ ایک حقیقت ہے جس پر مجھے یقین ہے اور کامل یقین ہے کہ ہم مرنے کے بعد فنا نہیں ہوتے اور مردوں کے متعلق بھی اس عالم کے امور کا اہتمام ہے وہ ہماری مدد کرتے ہیں بلکہ ہم سے بہت زیادہ انہیں علم ہو اور لگ بے گا ہے وہ ہماری مناجات اور ہم سے تکلم کرنے پر بھی قادر ہیں ۔

یہ نتیجہ جسپر میں پہنچا ہوں ایک عظیم نتیجہ ہے آپ اسے نہیں جانتے بلکہ خود میں بھی اسکی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتا ۔ ہاں آپکو معلوم ہے کہ میرے سوا اور بھی اہل علم ہیں جو بعینہ یہی اعتقاد رکھتے ہیں ہاں ایسے بھی ہیں جو اسکے معتقد نہیں ہیں اور ایسا گروہ بھی موجود ہے جس نے (نفیاً یا اثباتاً) اس موضوع پر بحث ہی نہیں کی ۔ بالکل

درست ہے۔ ہر شخص کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر مسئلہ پر بحث کر سکے۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند۔ لیکن جس کی عمر کے تیس یا چالیس برس کسی مسئلہ پر غور و خوض کرتے ہوئے گزرے ہوں وہ ضرور مستحق ہے کہ ان نتائج کے متعلق جن تک اسکی رسائی ہوئی ہے اپنی رائے کا اعلان کرے آپ کیلئے ان مثالوں پر غور کرنا ضروری ہے جو اس مسئلہ سے متعلق ہیں تاکہ آپ بحث کر سکیں اور ایسی مثالیں کثیر ہیں جو مجلدات علمیہ میں بکثرت شائع ہو چکی ہیں اور ہونگی ان مثالوں پر کامل غور و فکر کی ضرورت ہے اسلئے کہ انہیں پر احکام کی بنا ہے ہاں یہ بھی ممکن ہے کہ جس نتیجہ پر میں پہنچا ہوں آپ اس سے اولاً متفق نہ ہوں لیکن آخر گو چند سال کے بعد ہی کیوں نہ ہوں آپ میری رائے سے متفق ہو جائینگے اس مہلت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے ایک مدت تک اس مسئلہ پر بحث کی ہے وہ متفق اللفظ کہہ رہے ہیں کہ اسکی دلیلیں قریب قریب قطعی ہیں اور مجھے تو اس معاملہ میں قطعی شک نہیں ہے مجھے تو یقین ہے کہ اموات سے گفتگو کوئی ناممکن نہیں میں ایک مدت تک تاویل و تعلیل میں مبتلا رہا اور اس امر کو دوسرے اسباب سے منسوب کرنے کی سعی کرتا رہا۔ لیکن آخر کار یکے بعد دیگرے ان تاویلات کا فساد مجھ پر روشن ہو گیا۔ اب اسکے سوا مجھے چارہ ہی نہیں کہ اموات سے گفتگو کرنے کا یقین کر لوں اور ظاہر کر دوں کہ اموات فعلاً موجود ہیں اور ہم سے گفتگو کرتی ہیں لیکن میں یہ بھی نہیں کہتا کہ ہر مرتبہ وہی میت موجود ہے اور ہمکلام ہو رہی ہے (ممکن ہے کوئی دوسری روح ہو اور دھوکا دے رہی ہو۔ مترجم) بحث کرنے والے کو چاہئے کہ نہایت ہوشیار رہے۔ اور تحقیق و تمحیص کے جتنے طریقے مل سکیں انہیں استعمال کرے اور بحث کے لئے جتنی فرصت مل سکے اسے ضائع نہ کرے۔ کیونکہ یہ فرصت بہت ہی کم ہوتی ہے۔

بقا بعد الموت کی حقیقت دوسرے علمی طریقوں سے بھی ثابت ہے اور یہی شے ہمیں اس مسئلہ میں مدد دیتی ہے کہ تمام عوالم وجود باہم اتصال رکھتے ہیں اس شے نے مجھے اس قول پر مجبور کیا کہ انسان منفرد نہیں ہے بلکہ دوسرے مدرکات اسے گھیرے ہوئے ہیں اور جب تم نے اس امر کو سمجھ لیا کہ انسان سے فوق بھی ایک عالم ہے تو اب یہ سمجھ لینا نہایت آسان ہوگا کہ دوسرے عوالم بھی موجود ہیں جو ایک دوسرے سے مرتفع و ترقی یافتہ ہیں یہاں تک کہ تم ایک مدرک اعلیٰ یعنی ذات خداوند عالم تک رسائی حاصل کرو۔

ان مدرکات کا عالم ہمارے عالم سے جدا نہیں ہے اسلئے کہ عالم کون واحد ہے ہم اور ہمارے مدارک اس زمین تک محدود ہیں۔ جو امور کہ انجام پا رہے ہیں ہم انہیں سے

اکثر کا علم نہیں رکھتے لیکن کائنات ہم پر محیط ہے۔ ہمارے ساتھ عمل کرتی ہے۔ ہماری مددگار ہے۔ بہت کم انسان ہیں جو اس امر کو جانتے ہیں۔ بعضوں پر خواب کے ذریعے یہ امر منکشف ہوا ہے۔ اور اہل مذاہب کے اس دعوے میں قطعاً تاویل کی گنجائش نہیں کہ ملائکہ اور گروہ مقدسین ہمارے ساتھ ہیں اور خود ذات احدیت ہماری معین و مددگار ہے یہاں تک فاضل موصوف کا خطبہ تھا۔ اسکے بعد اپریل ۱۹۱۸ء کے رسالہ مفکلف میں مندرجہ ذیل تحریر شائع ہوئی۔

سر الیفر ڈلوج موجودہ زمانے کے مشہور ترین علمائے طبیعیات میں سے ہے۔ اس کا اعتقاد ہے کہ موت کیوقت جب روح جسم سے نکلتی ہے تو ایک جسم روحانی (لطیف) اختیار کرتی ہے وہ فضائے عالم میں باقی رہتی ہے اسکا وجدان۔ اس کا شعور۔ اسکی عقل۔ بجنسہ باقی رہتے ہیں۔ ان ارواح کو بعض زندہ ہستیوں سے اتصال ہوتا ہے اور وہ انہیں اجساد لطیفہ میں نظر آتی ہیں۔ ان سے سوال وجواب کرتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ابھی تک اجساد ارضیہ میں باقی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کا قول ہے کہ یہ رائے حد شیوع تک پہنچنے والی ہے اسلئے کہ اسکی صحت کی دلیلیں روز بروز ترقی پر ہیں اور ان لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو ارواح سے مخاطبہ کرتے ہیں اور اسطرح عالم فانی و باقی یا حیات دنیا و حیات آخرت میں اتصال ہونے والا ہے۔

ڈاکٹر موصوف کا ایک بیٹا تھا جسکا نام رائمنڈ تھا وہ جنگ عمومی میں شریک ہوا اور فرانس کے محاربہ میں قتل ہو گیا اس سے موصوف کو کئی مرتبہ ان وسائط[1] کے ذریعہ سے باتیں کرنیکا اتفاق ہوا جو ارواح سے گفتگو کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارواح ان کے سامنے متجلی ہوتی ہیں اور وہ ان سے مختلف وسیلوں کے ساتھ مخاطبہ کرتے ہیں موصوف نے ان محادثات اور گفتگوؤں کو ایک کتاب میں جمع کیا حیات وخلود پر فلسفیانہ مباحث قلم بند کئے تفاعل عقل و مادہ پر بحث کی۔ بعث و وجدان مناجات ارواح اور اسکے طریقے اس کتاب میں روشن کئے گئے۔ علما اور حکما کی جماعت نے اس کتاب کو خاص وجاہت کی نظر سے دیکھا۔ یہ کتاب پہلے پہل ۸ نومبر ۱۹۱۶ء میں چھپی ہاتھوں ہاتھ بک گئی۔ حتی اینکہ اختتام نومبر ۱۹۱۶ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع کرنے پڑے۔ پھر دسمبر ۱۹۱۶ء میں اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے اور اس چھٹے ایڈیشن کا ایک نسخہ ہمارے پاس موجود ہے۔ ممکن ہے اس کے بعد

[1] جو لوگ ارواح کو دیکھنے کا دعوای کرتے ہیں اور ان کے پیغام زندوں تک پہنچاتے ہیں انہیں وسیط یا وسیطہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ زندوں اور مردوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں ۱۲۔

اور بھی ایڈیشن شائع ہوئے ہوں اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اس کی مطالعہ کی طرف کتنا رجحان ہے اور ہونا چاہئے اسلئے کہ موضوع نہایت اہم ہے اور مولف کتاب ان لوگوں میں سے ہے کہ جو ہرگز کسی امر کا یقین کرنیکے لئے تیار نہیں ہیں جب تک کافی دلیلیں اسکے لئے دستیاب نہ ہوں اور وہ مجبور نہ ہو جائیں۔ اس کتاب میں مولف نے بیان کیا ہے کہ ۱۹۱۱ء میں جبکہ میں مقام اسٹریلیا انجمن ترقی علوم و فنون میں شریک ہونے کیلئے گیا تہا اور وہیں مقیم تہا۔ اسی زمانہ میں ایک لیڈی نے مجھے ۱۲ اگست کو ایک چٹھی لکھی اسکا نام "مسز کنڈی" تہا۔ خط کا مضمون حسب ذیل تہا۔

جناب من۔ میں آپ سے اعانت طلب کرنے میں جرأت و جسارت سے کام لے رہی ہوں۔ اسلئے کہ آپ ان لوگوں میں ہیں جو صاحبات ارواح کے مسئلہ پر غور و خوض کرنے والے ہیں۔ میرا ایک اکلوتا بیٹا تہا۔ جسکا نام "یولس" تہا۔ اس نے ۲۳ مئی کو انتقال کیا۔ اس مہینے کی ۲۵ تاریخ کو بیٹھے بیٹھے دفعتہً مجھے محسوس ہوا کہ گویا میں مضطر و مجبور ہوں کہ قلم اٹھاؤں اور لکھوں۔ میں خود بخود بغیر قصد و نیت لکھنے لگی اور میرے قلم ہی سے اسکا نام رقم ہوا اور ان سوالوں کا جواب بھی تحریر میں آگیا جو میرے دل میں پیدا ہوئے جواب میں اولاً فقط کلمہ "ہاں" کے سوا اور کچھ نہ تہا۔ اس کے بعد یومیہ میں کئی کئی صفحہ لکھہ لیتی ہوں بلکہ بعض اوقات دن میں دو دو مرتبہ بھی اتفاق ہوتا ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ گویا میرا قلم کتابت کے لئے خود بخود حرکت کر رہا ہے اب میں یہ دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ آیا وہی (میرا بیٹا) میرے ہاتھ کو کتابت کے لئے حرکت دیتا ہے یا یہ کہ میں بلا شعور خود لکھتی ہوں چونکہ میرے قلب میں آپکی عزت ہے اسلئے آپکے علم سے التجا کرتی ہوں۔

میرا بیٹا سترہ سال کی عمر میں فوت ہوا ہے جو عبارتیں میرے قلم سے نکلتی ہیں انہیں دیکھہ دیکھہ کر مجھپر دہشت طاری ہوتی ہے اسلئے مجھے اسپر وثوق نہیں ہے کہ یہ عبارتیں اسی (متوفی) کی ہیں اسی لئے میں جرأت کرتی ہوں اور آپ سے مساعدت کی طلبگار ہوں۔ میں تو اسے ایک نہایت ہی مقدس کام سمجھتی ہوں۔ اگرچہ اس سے اجنبی ہوں۔

جب آپ لندن پہنچیں تو مجھے فراموش نہ کیجے۔ مجھے ملاقات کی اجازت دیجے چاہے آدھ گھنٹہ کے لئے ہی کیوں نہو تاکہ ان امور کو آپ بچشم خود معائنہ کریں اور حکم لگائیں کہ آیا انمیں کچھہ حقیقت ہے یا یہ میرے قوائی باطن کے ہی مخترعات ہیں میں اس طویل کلام کے لئے معافی کی طالب ہوں۔

اس کے بعد میں مسز کنڈی سے ملا اور اسکو ساتھہ لیکر ایک امریکین لیڈی کے پاس گیا جسکا نام مسز ریٹ تہا۔

یہ امریکن لیڈی روحانیات کی مشاق تھی اور "وسیطہ" کا کام دیتی تھی۔ اس لیڈی نے کامل امتحان کے بعد یقین کر لیا کہ مسز کنڈی سے ہمکلام ہونیوالی اس کے بیٹے کی روح ہے اسکے بعد میں اسے اوروں کے پاس لیکر گیا مثلاً مسز فوسٹ پیٹرس و مسز اسبرن لیونارڈ وغیرہ۔ اسی اثنا میں میرے بیٹے کے قتل کی خبر اخباروں میں شائع ہوئی۔ میں نے مسز کنڈی کے بیٹے سے گفتگو کی اور درخواست کی کہ وہ میرے بیٹے کی امداد کرے۔ اور مسز لیونارڈ سے خواہش کی کہ وہ خوب مقناطیسی نیند میں جو کچھ دیکھیں یا سنیں مجھے اطلاع دے بغیر اسکے کہ کسی مقصد کا اسکے سامنے ذکر کیا ہو چنانچہ اسکے مرشد (وہ روح جس سے عامل کا تعلق خاص ہوتا ہے) نے اس سے بیان کیا کہ ریمنڈ اسوقت سو رہا ہے یہ ۱۸ ستمبر کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ۱۹ ستمبر کو مسز کنڈی اپنے خانہ باغ میں بیٹھی تھی کہ دفعتہً بغیر قصد و ارادہ اسکے ہاتھ میں قلم حرکت کرنے لگا اور مندرجہ ذیل تحریر کاغذ پر نظر آئی۔

"میں نے یہاں سر الیفرڈ لاج کے بیٹے کو دیکھا ہے اب اسکا حال بہتر ہے اور کافی استراحت میں ہے اسکے متعلقین کو اطلاع دیدو۔"

میں نے اپنی زوجہ لیڈی الیفرڈ کو مسز لیونارڈ کی حالت سے آگاہ کیا جو ان دنوں ایک فرانسیسی بیوہ عورت کے ساتھ لندن میں اسکی امداد کیلئے آئی تھی۔ اس فرانسیسی بیوہ کے دو بیٹے تلف ہو گئے تھے اور وہ ان کا حال معلوم کرنا چاہتی تھی چنانچہ میری بیوی نے مسز کنڈی سے درخواست کی کہ وہ مسز لیونارڈ کے ساتھ ملکر اس معاملہ میں سعی کرے چنانچہ ۲۴ ستمبر کو جلسہ قرار پایا۔

۲۴ ستمبر کو مسز کنڈی بیٹھی ہوئی اپنے بیٹے کی روح سے ہمکلام تھی اس حالت میں اسکے قلم سے یہ عبارت نکلی۔

"میں عنقریب ریمنڈ کو اس کے باپ کے پاس لاؤنگا۔ جب اسکا باپ تمہاری ملاقات کو آئیگا۔ ریمنڈ ایک خوشرو جوان ہے۔ ہر شخص اس سے محبت کرتا ہے اس کے بہت سے دوست یہاں مل گئے ہیں اسکے ماں باپ کو خبر دیدو کہ آج وہ تم سے صراحتہً گفتگو کریگا۔ وہ دوسروں کی طرح مضطرب نہیں بالکل مطمئن ہے۔ استراحت میں ہے اسکا چہرہ درخشاں ہے وہ ایک وقت طویل تک سوتا رہا لیکن آج وہ جاگا ہے اور اس نے باتیں کی ہیں۔ اگر تم اس بات کا اندازہ کر سکو کہ ہمیں تم سے باتیں کرنے کا کسقدر شوق ہے تو ہمیشہ ہمیں بلاتے رہو۔"

۲۲ دسمبر کو لیڈی لاج مسز کنڈی سے ملی جسوقت مسز کنڈی کے قلم سے یہ عبارت نکلی۔ جو ریمنڈ کی طرف سے تھی۔

"اماجان میں یہاں ہوں۔ میں نے سکندر (اپنے بھائی) سے کلام کیا مگر اسنے سنا ہی نہیں۔ ہم یہاں نہایت امن میں ہیں۔ مکان بھی تنگ نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض کا گمان ہے

بلکہ کشادہ ہے کہ انسان اسمیں بخوبی زندگی بسر کرسکتا ہو تم انتظار کرو کہ مجھے تم سے ہمکلام ہونے کی زیادہ قدرت حاصل ہو جائے اور اپنے تمام خیالات وافکار کی تعبیر تم تک پہنچا سکوں۔ لیکن اسکے لئے ذرا مدت درکار ہے۔

اسکے بعد دوسرے دن تینوں بیگمات یعنی لیڈی لاج فرانسیسی بیوہ۔ اور مسز کنڈی مسز لیونارڈ کے ہاں پہنچیں ڈاکٹر کنڈی بھی ان کے ساتھ تھے تاکہ جو کچھ کہا جائے اسے لکھتے رہیں۔ یہ تینوں بیگمات اور مسز لیونارڈ۔ چھوٹی سی میز کے گرد بیٹھیں اور یہ اصطلاح مقرر کی کہ ہر ایک حرف ہجا پر میز کو حرکت ہونی چاہیئے اور اس حرف پر جو مقصود مراد ہے میز کو ساکن رہنا چاہیئے۔ وسطہ بھی ہوشیار تھی۔ جاگ رہی تھی۔ چنانچہ اس موقع پر ریمنڈ کی روح سے جو سوال کئے گئے اور جو جواب ملے وہ حسب ذیل ہیں۔

س۔ کیا تم اکیلے ہو۔

ج۔ ہرگز نہیں

س۔ کون ہے جو تمہارے ساتھ ہے ؟

ج۔ میرا دادا ہے۔ اور۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

س۔ کیا تم مجھے کچھ کہنا چاہتے ہو؟

ج۔ مجھے ذرا دحشت سی ہو رہی ہے لیکن میں اپنے آپ کو تسلی دیتا ہوں اور اپنے گرد بہت سے دوستوں کو دیکھ رہا ہوں۔

س۔ کیا تم کسی ایک کا نام بتا سکتے ہو؟

ج۔ آمز (متوفی کی متوفیہ بہن کا نام ہے)۔

س۔ کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟

ج۔ میرے باپ سے کہدو کہ میں ان کے بعض دوستوں سے ملا ہوں۔

س۔ مثلاً وہ کون ہیں

ج۔ میرس۔

س اسکے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔

ج۔ ہاں گئے موجود ہے (یہ شخص میڈم لابرتن کا بیٹا تھا یہاں سے فرانسیسی میں گفتگو شروع ہوگئی)

فقط

یہ واقعہ طویل طویل ہے جسے مولف نے قلبند کیا ہے ہماری غرض نہ اس مقالہ کا ترجمہ کرنے سے ہے اور نہ اسکی تصدیق یا تکذیب۔ ہمیں صرف دکھانا ہے کہ یورپ میں جہاں وہ لوگ ہیں جو روح کو صرف تفاعل مادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہاں ایک ایسا گروہ بھی موجود ہے۔ جو روح کو ایک مستقل شے تسلیم کرتے ہوئے اس کی بقا کا قائل ہے۔ اسی سلسلہ میں انشاء اللہ مفصل دلچسپ بحثیں ہدیہ ناظرین عرفان ہونگی۔ اور بتایا جائیگا کہ یورپ میں یہ خیال کب سے

پیدا ہوا مجالس روحانیہ کی رپورٹیں بعض عجیب و غریب امور پیش کرتی ہیں۔ اور وہ ایسے امور ہیں کہ جنہیں دیکھنے والوں نے سینکڑوں برس پہلے اسلام کی روشنی میں دیکھا ہے۔ مجالس روحانیہ کی بعض تحریروں کی بے اختیار تصدیق کرنی پڑتی ہے اور بعض تحریروں سے یہ شبہ نہ نہیں بلکہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ اس پردے میں بھی نصرانیت کی تبلیغ کر رہے ہیں بہر طور ان واقعات میں تصنع اور بناوٹ ہے تو اسکے ساتھ کسی نہ کسی پہلو سے صداقت کا عنصر بھی موجود ہے۔ اس مسئلہ پر انشاء اللہ کافی معلومات کے ساتھ قلم اٹھایا جائیگا۔

شذرات

مجھ سے ایک دوست نے فرمائش کی یا یوں کہئے کہ مشورہ دیا کہ تم شذرات بھی لکھا کرو۔ یعنی ادھر ادھر کی گپ شپ۔ اول تو یہ ہے کہ ایک ماہواری رسالہ اسکا متحمل ہی نہیں ہو سکتا۔ واقعات عالم پر رائے زنی برمحل ہونی چاہئے۔ جہاں بات پرانی ہوئی اور لطف جاتا رہا۔ مثلاً امسال جناب صدر شیعہ کانفرنس کا خطبہ صدارت اور وہ بھی منتخب دیکھا۔ دو پہلوؤں پر نظر پڑی اور وہ دونو میرے لئے مجمل تھے۔ دہلی کے ایک اخبار نے انہیں پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے خاص مدح کی تھی۔ مگر میں کچھ بھی استفادہ نہ کر سکا۔ فرق اسلامی کے سیاسی اتحاد پر زور دیا گیا تھا۔ اور شیعوں کو خاص نصیحت کی گئی تھی میرے دل میں فوراً یہ خلش پیدا ہوئی کہ اتحاد سیاسی ایک ٹھہری چیز ہے۔ جہاں مشترکہ مفاد کا سوال پیش ہوگا۔ لامحالہ متحد ہونا پڑیگا۔ سارو ابل کا معاملہ دیکھ لو۔ لیکن حل طلب یہ امر ہے کہ جب باہم حقوق متصادم ہوں تو اسوقت شیعوں کی پالیسی کیا ہونی چاہئے۔ اسکا جواب کچھ نہ تھا۔ دوسرا پہلو تعلیم نسواں کے متعلق تھا یہ بھی مجمل تھا۔ یہ فتوی نہایت آسان ہے کہ عورتوں کو تعلیم نہ دینا اسلام کے خلاف ہے۔ قبلہ من نفس تعلیم کا سوال نہیں ہے بلکہ نوعیت تعلیم کا سوال ہے اسی کی طرف سے سکوت۔ یہ پردہ داری کس لئے؟ مگر اب یہ باتیں بہت بعد از وقت ہیں۔ اسی لئے بے لطف ہیں۔

لیجئے اور سنئے! ایک صاحب کا استعفا عن الاجتہاد نظر سے گذرا فرماتے ہیں کہ میں نے آلات اجتہاد بھی ترک کر دئے مثلاً نماز جمعہ و جماعت۔ مجھے یہ تحریر دیکھکر اتنی ہنسی آئی کہ کیا عرض کروں۔ سرکار! آجکل دنیا میں بدظنی کا دور دورہ ہے۔ کوئی بدبخت یہ کہدے گا کہ مقتدی نہ ملے

ہونگے اور اگر تھے تو انکی تو آرزوؤں کا خون ہوگیا ہوگا۔ خیر۔

ہر کسے مصلحتِ خویش نکومی داند

لیکن لطف یہ ہے کہ آلات اجتہاد میں عیادت مریضے کو شامل کرتے ہوئے اسے بھی ترک فرمایا گیا ہے۔ ہم نے سنا تھا کہ عیادتِ مرضی علائم ایمان میں سے ہے۔ اب راز کھل گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تشییع جنازہ، تعزیت وغیرہ سبھی کے ضمن میں آگئے ہونگے۔ خدا توفیقات زیادہ کرے۔ یا التماس بھی دراز وقت ہے لہذا بدمزہ۔

اور ملاحظہ کیجئے۔ آجکل بعض نوخیز مولوی صاحبان مسائل سیاسیہ پر فتوے دے رہے ہیں ان کے اساتذہ کرام بزبان حال کہہ رہے ہیں ؎

کس نیاموخت علم تر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

کیونکہ ان فتاوی کا جزو اہم استادوں پر ہاتھ صاف کرنا ہے لیکن یہ قضیہ بھی پرانا ہے اور اگر نیا بھی ہو تو من چہ محتسب نہیں عبس نہیں۔

غرض اول امر تو یہ ہے کہ ماہواری رسالہ اسکی برداشت نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ ہے کہ ان معاملات میں قدم رکھتے ہوئے خوف تو نہیں آتا مگر اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ عالم ظلمات کی طرف قدم بڑھ رہا ہے۔ یہی حقیقت دوزخ ہے کلما دخلت امة لعنت اختہا۔ وہاں بھی ایک گروہ دوسرے کو لعنت کرتا آئیگا۔ یہاں بھی یہی نقشہ ہے

اچھا مان لیا کہ دوزخ بھی قبول لیکن کہیں بچ گیا کہیں بلکل اعتبار سے اگر دیکھو۔ نہ کانگریس کا ممبر نہ اینٹی کانگریس کا۔ نہ انتہا پسندوں میں داخل نہ اعتدال پسندوں میں۔ نہ خلافت سے تعلق نہ خدام کعبہ سے۔ جیسے اور تماشائی ہیں میں بھی ایک سہی وہ بھی دلچسپی کے ساتھ نہیں۔ کوئی نظارہ سامنے آگیا دیکھ لیا ورنہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب رہی قومی حالت۔ اس کا کیا کہنا۔ شیرازہ بکھر چکا ہے۔ جس جگہ دس آدمی آباد ہیں وہاں خدا جھوٹ نہ بلائے تو بارہ انجمنیں ہونگی۔ سبب اسکا ظاہر ہے۔ اب لوگ اجتماع جلسۂ انجمن کو شیرازہ بندی سمجھتے ہیں۔ میں بھی کبھی یہی سمجھتا تھا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ غلط اور سراسر غلط۔

تحسبھم جمیعاً و قلوبھم شتّٰی بانھم قوم لا یفقھون

تم ان کو مجتمع سمجھتے ہو۔ دل تو ان کے متفرق ہیں۔ یہ تو بے عقل لوگ ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قومی شیرازہ بندی جس شے سے ہوا کرتی ہے وہ اور شے ہے اور اسی کا پتہ نہیں۔

انما المومنون اخوة۔ ایمان ہی وہ شے ہے جو ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا کرتا ہے جب وہی نہ رہا تو اخوت کیسی غلط خیال ہے کہ مسائل سیاسیہ میں چند روزہ ہم خیالی ہمیں متحد کردیگی۔ سنئے! میں اپنے مقام پر ایمان کا دعوی کرلوں اور دوسرا اپنے مقام پر لیکن جب تنہائی میں اپنے دعوی

پر غور کرتا ہوں تو شرم ضرور آتی ہے دوسرے کی خبر نہیں۔

یہ حکیمانہ تمثیل بہت اچھی ہے کہ آفتاب تمام شہر پر اپنا سایہ ڈالتا ہے در و دیوار و مکانات کے تعدد سے دہوپ بہی متفرق معلوم ہوتی ہے۔ کہیں کم کہیں زیادہ۔ اگر یہ حجابات اٹہا دیئے جائیں تو متفرق اور پاشاں روشنی ایک نظر آئیگی یہی حال نور ایمان کا سمجہو۔

چوں نماند خانہ ہا قاعدہ

مومناں مانند نفس واحدہ

لیکن جب اصل نور ہی نہ ہو تو اتحاد کیسا۔ اتحاد ظلمانی کا نتیجہ کیا۔ ظلمات بعضہا فوق بعض پہلے ہی تاریکی تہی اور ظلمت بڑہ جائیگی۔ اذا اخرج یدہٗ لم یکد یراہا اس تاریکی میں اپنا ہی ہاتہ نکال کر دیکہو کچہ سجہائی نہ دیگا۔ غور کر کے دیکہہ لو آج کوئی اپنا ہاتہ۔ اپنا قوت بازو اپنا بہائی نظر آتا ہے۔ خیر جو کچہ ہوتا ہے ہونے دو۔ اب یہیں سے اندازہ لگا لینا چاہیئے کہ مذہبی حالت کیا ہوگی ایک صاحب پردہ کا عدم جواز قرآن سے نکالتے ہیں دوسرے دنیا بلکہ فطہر (اے فقیر) سے لباس فرنگ کا وجوب ثابت کرتے ہیں۔ ہم یہ تسلیم کرنے کیلئے تیار ہوں کہ اسلام ظاہری پابند لباس ظاہری نہیں۔ یہ لباس تمدن کے تابع ہے مگر اسکے لئے یہ کیا ضرور ہے کہ قرآن کی ہڈیاں توڑی جائیں۔ لیکن سننے والا کون ہے۔ نیک نیتی کے ساتہ اگر کوئی مسئلہ زیر بحث آ جائے تو اسکا بہت جلد فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن جہاں مطلب سعدی دیگر است والا معاملہ ہو وہاں کچہ پیش نہیں جاتی ع

میں نہ سمجہوں تو بہلا کیا کوئی سمجہائے مجہے

پرانے لوگوں پر یہ ایراد ہے کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے معنی غلط بیان کر کے عوام کو گمراہی میں رکہا ہوگا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ معنی ممکن ہے غلط لگائے ہوں حالانکہ تقریباً محال عقلی ہے کہ تیرہ سو برس سے سب کے سب غلطی پر متفق ہو گئے ہوں۔ مگر اصل شے کو باقی رکہا۔ اب علمائے تجدد اصل کے ہی پیچہے پڑے ہیں۔ ہم عوام کی ہر طرح مصیبت ہی مصیبت ہے۔

ایک دوست کا قول یاد آیا وہ یہ کہ حضرات زمانہ ملاّ اور آخوند سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ زمین پر دوڑیں یا آسمان پر اڑیں ان کے ہاتہوں سے نجات محال ہے۔ مطلب بالکل واضح ہے کہ آجکل عبا و عمامہ کا نام ملا رکہا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ لوگ اس سے گہبراتے ہیں پس وہ ملا جنہیں عوام کو خر بنانا مد نظر ہے وہ اسی لباس میں آجائیں گے جو مطبوع عوام ہو۔ پہر کیا چارۂ کار ہوگا۔ کچہ بہی نہیں۔ وہ ایسے ہی فتوے دینگے جنہیں عوام پسند کریں۔ چلئے فراغت ہوئی۔ انکا مطلب ہر طرح سیدہا ہے

پہلے عبا و عمامہ میں جذب عوام کا اثر تہا۔ وہ دوش و سر کی زینت تہے آج لباس یورپ میں وہی تاثیر ہے۔ پہلے یہی سہی بلکہ اس تغیر و تنوع میں اور کشش بڑھجاتی ہے یعنی متجدد اور نئی نور لقب ہوجاتا ہے۔

یہ ہے ہمارا مذہبی رنگ۔ خدا ہم عوام کی حالت پر رحم کرے پرانوں کی نہ مانیں جب کافر متجدد دین کی نہ نہیں تو کافر۔ ایک کی مانیں۔ دوسرے کے کافر۔ دونوں کو مانیں جب کافر دونوں کو نہ مانیں جب کافر غرض ہماری قسمت میں جو کفر لکہا ہے وہ کہیں نہیں جاتا۔ لہذا مناسب یہی ہے کہ ان منافشات کی طرف سے آنکہیں بند کر لی جائیں کبہی موقعہ ہوا فقیرانہ صدا لگادی اور بھائی سیدہی سی بات تو یہ ہے

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید ز حکمت این معما را

اسلام اور شریعت اسلام

پہلے نمبر میں مجملاً بیان کیا جاچکا ہے کہ شریعت اسلام ہر حیثیت سے کامل ہے مگر یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ آجکل کے مسلمان اسکو قبول کرنیکے تیار نہیں۔ اگرچہ کسی مصلحت سے زبانی کہ لیں کہ اسلام کامل ہے لیکن میدان عمل میں اگر وہ بالکل اسکے مخالف نظر آتے ہیں خصوصاً تمدنی اور سیاسی مسائل میں تو وہ اسقدر دور نکل گئے ہیں کہ اگر صدر اول کا کوئی مسلمان جو اس زمانے میں بے دین سمجہا جاتا ہو۔ آج اگر دیکہے تو فوراً کہہ اٹہے گا کہ اگر یہ لوگ مسلم ہیں تو غیر مسلم کون ہوگا۔

ایک حیرت افزا ادعا — میں سنجیدہ و فہمیدہ مسلمانوں کی زبانی یہ دعویٰ سنتا ہوں کہ اسلام ہر زمانے کا ساتہ دینے کیلئے تیار ہے۔ شیعہ حضرات یہی فرماتے ہیں کہ مصلحت زمانہ کو مذہب میں ایک خاص مداخلت حاصل ہے آیئے دیکہیں کونسا مفہوم اس سے مراد ہے اور ایسے دعوے کے معنے کیا ہوتے ہیں۔

معنی اول۔ وہ حضرات جو فرماتے ہیں کہ اسلام ہر زمانے کا ساتہ دینے کیلئے تیار ہے ان کے اس قول سے یہ معنی پیدا ہوجاتے ہیں کہ زمانے میں کیسے ہی خیالات ظاہر ہوں اسلام ان کے ساتہ موافقت کرے گا اور اسطرح کہ ہرگز باہمی مخالفت نظر آئیگی۔ مجھے اس کی صحت میں بوجوہات شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ یہ امر مخفی نہیں ہے کہ زمانہ متغیر ہے اسکے حالات متغیر ہیں اور تغیرات حالات کے ساتہ ساتہ خیالات بہی کروٹیں لیا کرتے ہیں۔ حتیٰ ایکہ دو زمانوں کے حالات اور خیالات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے

تو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ وہ دونو ایک دوسرے کی ضد ہونگے۔ جن میں کوئی اجتماع کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی اسحالت میں اگر ہم یہ کہیں کہ اسلام ہر دور زمانے کے خیالات کی موافقت کیلئے تیار ہے تو معاف کیجئے گا وہ کوئی دین الہی نہیں ہے بلکہ ارباب زمانے کے ہاتھوں میں ایک موم کا کھلونا ہے کہ جس صورت میں چاہیں اسے ڈھال لیں یہ صورت بھی قبول ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ یہ مان لیا جائے کہ ہر زمانے کے افراد کو اسمیں دخل و تصرف کا حق دیا گیا ہے کہ وہ جسطرح چاہیں اپنی منشا کے موافق اس میں تراش خراش کرلیں خواہ وہ صدر اول کے افراد ہوں یا اسکے مابعد کے۔ اگر صدر اول کے کسی شخص نے ایسا کیا ہو تو اسلامی نقطۂ نظر سے اسے بھی کون اچھا کہنے کے لئے تیار ہے۔

ہاں اس مقام پر سمجھ لینا چاہئے کہ ہماری بحث اسوقت مسائل جزئیہ اجتہادیہ سے نہیں ہے بلکہ اصل نظر اصول و فروع محکمہ پر ہے کہ جن کے لئے نصوص صریحہ قطعیہ موجود ہیں انہیں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے اور ان میں سے ایک کے بھی انکار سے کل کا انکار لازم آتا ہے۔

غرض اگر قول زیر بحث سے یہی مفہوم مراد لیا جائے کہ اسلام کے اصول و فروع میں ہر زمانے والوں کو حق تصرف حاصل ہے تو وہ اس دعوے سے اسلام کی کسی خوبی کا اعلان نہیں کرتے بلکہ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں یہ تو موم کی ناک ہوئی کہ جدھر چاہا موڑ لی۔ ایک ربڑ ہے کہ چھوٹا بھی ہو جائے اور بڑا بھی۔

معنی دوئم۔ یہ ہیں کہ اسلام میں ایسی صلاحیت موجود ہے کہ ہر زمانے کی عقول و اذہان انسانوں کا ہر طبقہ ہر ملک ہو قبول کر سکتا ہو یہ توجیہ اور بالکل صحیح ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ حضرات قائلین کا یہ مطلب نہیں ہوتا بلکہ یہ فقرہ ان کی زبان اسوقت نکلا کرتا ہو جبکہ وہ کسی اتقی حکم اسلامی کی تخریب کے درپے ہوا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسلام کا خیر خواہ ثابت کرنیکے لئے ایسے عوام فریب جملے منھ سے نکالا کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے مدنظر صرف معنی اول ہی ہیں اور وہ یقیناً غلط ہیں، احمق سے احمق بھی اس امر کو گوارا نہیں کر سکتا کہ مذہب حق و دین الہی آرائے ناقصہ انسانی کا تابع ہو جائے ایک وقت لات و عزی کا ساتھ دے اور دوسرے وقت ذات واحد کی پرستش کرے پھر ان دو مختلف حالتوں پر نظر کرتے ہوئے اسکی تحسین بھی کی جائے۔

یہ ایک حقیقت واقعی ہے کہ مذہب حق انسانوں کو مہذب بنانے کیلئے ہوتا ہے وہ انسان کی اصلاح کیلئے آتا ہے لیکن اگر وہ اس امر کا محتاج ہے کہ انسان اسکی تہذیب کریں اور اسکی اصلاح کرتے رہیں تو یا قول اول صحیح ہو سکتا ہے اور یا دعوی ثانی یعنی

مذہب حق بھی ہو اور اصلاح انسانی کا محتاج بھی ہو۔ بہت معقول۔

اسی طرح مصلحت زمانہ کو بھی اس شے میں کوئی دخل نہیں۔ ممکن ہے یہ صورت کسی ایسے مسئلہ جزئیہ میں جہاں حکم شریعت صریحی معلوم نہ ہو پیش آجائے کہ اسوقت علاوہ اور امور کے حالات زمانہ بھی مفتی کے زیر نظر ہوں تو یہ ایک دوسرا امر ہے مگر اصل شریعت ان قسم کی مداخلتوں سے بہت بلند ہے۔

مثلاً آج ایک گروہ کا قول ہے کہ ضروریات تمدن کا مقتضا یہ ہے کہ ہم عورتوں کو بے نقاب کردیں۔ اور ضرورت تمدن کے یہ معنی ہیں کہ یورپ کی قومیں ہماری اس رسم پر ہنستی ہیں یہ تو گویا بہت بڑی ضرورت ہے۔ باقی اور بہت سی ضرورتیں تراشی جاسکتی ہیں۔ بہت خوب مان لیا کہ آج ہم ان کی ہنسی سے بچنے کیلئے اسلام شکنی پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن فرض کرو کل کو یورپ میں پردے کا رواج ہو گیا۔ اسوقت کیا ہوگا۔

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

کہتے ہیں کہ جس شخص میں قوت ارادی محکم ہوا کرتی ہے وہ انسان ایک خاص انسان ہے بالخصوص جبکہ یہ قوت ارادی کسی امر حق سے وابستہ ہو لیکن ایک مسلم کیوں اسے اپنے لئے محسن سمجھنے کے واسطے تیار نہیں درآنحالیکہ وہ اقرار کرتا ہے کہ شریعت اسلام حق ہے۔ کیا ایسا اقرار منافقانہ اقرار نہیں ہے۔

اس زمانے میں سب سے بڑی مصیبت اسلام کے لئے یہ ہے کہ خود مسلمان اسکی بیخکنی کے لئے آمادہ ہیں۔ پہلے مسلمان بھی خلاف اسلام امور کے مرتکب ہوتے تھے مگر وہ ان امور کی تاویلیں کرکے انہیں اسلامی قرار نہیں دیتے تھے۔ گناہ کو گناہ سمجھتے تھے مگر اب معاملہ برعکس ہے۔ اب ہر شخص کی یہ کوشش نظر آتی ہے کہ جو میں چاہوں کروں اور پھر اسے اسلامی قالب میں ڈھال دوں پہلے بھی لوگ شراب پیتے تھے۔ خوب پیتے تھے۔ مگر اسکے ضرور مقر تھے کہ اسلام نے اسے حرام کیا ہے اور اب جو پیتے ہیں تو یہ کہکر پیتے ہیں کہ بتائیے قرآن میں کہاں شراب کو حرام کہا ہے۔ انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ میں صرف اجتناب ہے۔ اس سے حرمت کہاں ثابت ہوتی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون اگر یہ منطق صحیح ہے تو قماری بازی۔ بت پرستی وغیرہ سے بھی اجتناب کا ہی حکم ہے۔ پس صاف کہئے کہ نہ جوا (قماری بازی) حرام ہے نہ بت پرستی۔ چلئے فراغت ہوئی۔ خیر۔ اس بحث پر ایک مفصل تحریر کی ضرورت ہے یہ خیال چپکے چپکے شیعوں میں سرائت کررہا ہے اور اس

خیال کے حامی کہاں کہاں ہیں؟ نگاہ میں موجود ہیں۔

لطیفہ یزید ابن معاویہ کے افعال کسی واقف کار سے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ اور منہیات کے شراب بھی ہر وقت اسکی ہم بزم تھی۔ لیکن باوجود اسکے اسکا قائل تھا کہ دین محمدی میں شراب حرام ہے۔ چنانچہ اس کا ایک مشہور شعر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ساقی شراب لے آ۔ مانا یہ دین احمد میں حرام ہے لیکن مسیح ابن مریم کے دین میں تو حلال ہے۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ مسلمان رہ کر تو میں شراب پینے کا مجاز نہیں لیکن دین مسیحی کے توسل سے تو مجاز ہوں"۔ غرض یہ اور اسی قسم کے خیالات سب اکثر نام کے مسلمانوں کا تمغۂ امتیاز ہیں۔

مصیبت تو کا ظہور یہ تو ظاہر ہے کہ آجکل فیشن کی ہوا چل رہی ہے۔ یعنی جیسا دوسروں کو کرتے دیکھا خود بھی کرنے لگے۔ اس سے بحث نہیں ہے کہ اسمیں خوبی ہے یا برائی۔ ہمج رعاع اتباعُ کلِّ ناعق۔ حقیر و ذلیل مکھیوں کی طرح ہر گدہے کی طرح کھینچنے والے کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اسی فیشن میں آجکل تبلیغ اسلام بھی داخل ہے اور چونکہ محض فیشن کے لئے ہے لہذا اصل حقیقت سے کوسوں دور ہے بلکہ بعض اوقات اس کے ثمرات نہایت تلخ ہوتے ہیں۔

قادیانی مشن لندن میں بیٹھ کر کام کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا روپیہ خرچ ہو رہا ہے اور مسلمان خوش ہیں۔ خیر مضائقہ نہیں ہے۔ اسلام کا نام ہی سہی۔ لیکن بعض نتائج ایسے برآمد ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان الجھن میں پڑ جاتا ہے کہ ایسی حالت میں کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

لارڈ ہڈلے اس نومسلم پارٹی کے صدر ہیں کہتے ہیں کہ حقائق اسلامیہ پر انکو عبور کامل حاصل ہے۔ شاندار مسجد بھی ان کی زیر نگرانی تیار ہو رہی ہے یہ سب کچھ سہی مگر نقاب اٹھتے ہی اصل صورت نمایاں ہو جاتی ہے چنانچہ صاحب موصوف کا ایک فتوی تھوڑے دن ہوئے نظر سے گزرا کہ نماز کیلئے وضو برا نہیں ہے۔ اچھی چیز ہے۔ لیکن اسے انسان کی طبیعت پر چھوڑنا چاہئے۔ اگر جی چاہے فرصت ہو۔ کر لے۔ ورنہ یہ کوئی لازمی شے نہیں ہے خصوصاً یورپ کے نومسلموں کے لئے تو اس میں آزادی ہونی چاہئے۔ بس اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ نماز جماعت کے فوٹو وغیرہ جو شایع کئے جاتے ہیں۔ محض جذب قلوب ان کا مقصد ہے۔ ورنہ کیا مقتدا اور کیا مقتدی سب بے غسل اور بے وضو ہی ٹرخاتے ہونگے۔ کتنا پاکیزہ اور مطہر نتیجہ نکل رہا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ان کا زہر دوسرے مسلمانوں میں بھی سرایت کریگا۔ خصوصاً ان میں جو تحصیل علوم کیلئے وہاں جاتے ہیں اول تو اکثر

یہاں گھر میں بھی انہیں چنداں پابندیٔ احکام کی پروا نہیں ہوتی اور وہاں جا کر تو "کریلا اور نیم چڑھا" والی مثال ان پر صادق آتی ہے خصوصاً جب ایسے حضرات کی صحبت میسر آجائے۔ جو لابدی ہے (باقی آئندہ)

ساردا بل

یہ امر روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ کسی مسلمان نے اور مسلمانوں کے کسی طبقہ نے اس بل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ انفرادی طریق سے بھی اور مجموعی طور پر بھی اس سے نفرت ہی کی جارہی ہے ارکان حکومت کیلئے قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ اب وہ اس بل کے محاسن بیان کریں یا مسلمانوں کو اسکی ترغیب دلائیں۔ اول تو حکومت شرعی حیثیت سے کوئی مفتی نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اخلاقی یا تمدنی حیثیت سے جسقدر دلائل وبراہین تھے وہ سب توڑ دئے گئے ہیں۔ بس اب صرف یہ معاملہ ہے کہ

ما کردیم وشد

مگر ہاں اس معاملہ کے بروئے کار آنے سے بہت سے حقائق کا ظہور ہو گیا۔ پہلا امر یہ معلوم ہو گیا کہ اسمبلی میں جتنے مسلمان ممبر ہیں وہ سب کے سب مسلمان نہیں ہیں ان میں منافق و بے دین بھی ہیں جو ہمیشہ شریعت اسلامیہ کے بیخ کن ثابت ہوئے ہیں اور ہونگے۔

معلوم ہے کہ ان ممبروں کو مسلمانوں نے ہی منتخب کیا ہے۔ اس سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر وہ شخص جسے مسلمان منتخب کرلیں یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمان بھی ہو۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو لیکن وقت آتے ہی حقیقت بے نقاب ہو سکتی ہے جیسا کہ ہو گئی۔

کانپور میں جو مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں اطراف ہند کے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے مسلمان اور سر برآوردہ مسلمان۔ علما موجود تھے۔ اس جمعیۃ کے صدر جناب عبدالحلیم غزنوی ممبر اسمبلی کی تقریر صدارت کے مندرجہ ذیل فقرات قابل غور ہیں جو اخبار صراط لکھنؤ سے اخذ کئے جاتے ہیں "ہمارا فرض ہے کہ ہم ہز اکسلنسی وائسرائے کو بتا دیں کہ اسلامی ہند کسی ایسے مسلمان کی اطاعت قبول نہیں کر سکتا جو راہ شریعت پر گامزن نہ ہو۔ چاہے دنیوی زندگی میں وہ کتنا ہی بلند درجہ رکھتا ہو اور کسی نامسلم کا تو ذکر ہی کیا ہے غیر متشرع مسلمانوں سے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے سیاسی اور مذہبی حقوق کو بیچ سکتے ہیں یا انکا سودا کر سکتے ہیں

لہذا ایسے مسلمان مسلمانوں کے نمائندہ یا وکیل نہیں ہو سکتے۔"

اسمیں شک نہیں ہے کہ جناب صدر کے یہ خیالات نہایت درجہ قابل مدح و ثنا ہیں مگر ضرورت اسکی ہے کہ انپر عمل بھی کیا جائے۔ علاوہ ازیں تاسف و حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اگر مسلمان پہلے سے اس امر پر کاربند ہوتے تو یہ روز بد نصیب ہی کیوں ہوتا۔ نہیں۔ ہمیں اب بھی شک ہے اور ہمیں اب بھی مسلمانوں سے یہ توقع نہیں ہے یہ ضرور انکی طرف جھکیں گے۔ جنکے پاس ظاہری چمک دمک ہو

جبل گردد جبلی بر نہ گردد

مثالیں موجود ہیں۔ لاہور کے ایک مشہور اخبار کا اڈیٹر جو کبھی مسٹر ہے۔ کبھی مولانا اور کبھی آقا پلیٹ فارم پر تقریر پریشان سنو تو یہ معلوم ہو کہ اس سے بڑھکر حامی شریعت اسلامیہ روئے زمین پر نہو گا لیکن میدان عمل میں آکر دیکھو تو رنگ کچھ اور ہے ابتک امان اللہ کا سوگ اس نے نہیں اتارا حالانکہ یہ ایک ام نشرح معاملہ ہے کہ امان اللہ قطعاً و یقیناً نہ صرف خود بیدین تھا بلکہ مخرب اسلام تھا جسوقت اسنے بزرگان خوانین کی ڈاڑھیاں منڈوائی تھیں اسوقت یہ لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔

گورنمنٹ انگلشیہ اس ملک میں مدت سے حکمراں ہے نہ صرف اس ملک میں بلکہ کل ممالک اسلامیہ میں اسکی حکومت ہے فرق یہ ہے کہ کہیں بلاواسطہ ہے اور کہیں بالواسطہ۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اجرائے عمل میں حکومت کی آنکھیں بند نہیں ہیں۔ اسکے مدبر اور معاملہ فہم ہونے میں شک کرنا اپنے نفس کو فریب دینا ہے۔ وہ مسلمانوں کو خوب جانچ چکی ہے اسے معلوم ہے کہ لفظ شریعت فقط انکی زبان پر ہے دل سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ لہذا وہ اب مسلمانوں کی کسی آواز کو جو شریعت کی حمایت میں بلند ہو۔ ذرہ برابر وقعت نہیں دینا چاہتی۔ گورنمنٹ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ نفوس جو واقعاً شریعت محمدی کی تعظیم کرتے ہیں، عوام پر انکا کوئی اثر نہیں اور جنکا اثر ہے اور جو عوام پر ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنا اثر قائم کر لیتے ہیں انکا ایمان بآسانی خریدا جاسکتا ہے چاہے ابن سعود خریدے چاہے کمال اور ضرورت کے وقت خود بھی جب یہ نوبت آجائے تو اسوقت مسلمانوں کی آواز "صدا بصحرا" ثابت نہ ہو تو کیا ہو۔

خیر کچھ ہو اسمیں شک نہیں کہ ساردا بل کے پاس ہو جانے سے مسلمانوں کی شرعی حیثیت نہایت خطرے میں آ چکی ہے اس موقعہ پر نہایت سنجیدگی سے کام کرنیکی ضرورت ہے خالی اظہار غیظ و غضب سے کام نہیں چلا کرتا طفلانہ حرکتیں محض تماشائیوں کو ہنسا دیا کرتی ہیں و ایسی خطابات ایک عمل لغو ہے جسکی لغویت کا مشاہدہ ہو چکا ہے عوام الناس کو چاہئے کہ وہ اس موقعہ پر انہو قیاسات فاسدہ سے باز رہیں وہ اپنے اپنے اہل علم کی طرف رجوع کریں اور جو کچھ وہ بتائیں کہ ایسے موقعہ پر احکام خدا و رسول یہ ہیں انپر عمل کریں۔

گروہ شیعہ کو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہو اس طبقہ کی ہوا آجکل بہت بگڑی ہوئی ہو آجکل انہیں ہر نوخیز مولوی و ہر اخبار نویس مفتی کا درجہ رکھتا ہو جو ظاہر ہو کہ فرقہ کی بربادی اور تباہی کا پیش خیمہ ہے معلوم ہو کہ خالص اسلامی مسئلہ ہو نہ اسمیں سیاسیات دخل ہو اور نہ خود ساختہ تمدن کو مسائل کو لہذا اسکے متعلق انہیں کے اقوال سند ہونگے جنکی عمریں علوم شرعیہ کے مطالعہ میں صرف ہوئی ہیں اور وہی بتائینگے کہ اس موقعہ پر ہماری کیا رفتار ہونی چاہئے یہ بھی ظاہر ہو کہ ہندوستان میں جو اہل علم ہیں اب انپر وہ اعتماد نہیں ہو جو پہلے تہا ۔ لیکن اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمام فرقہ کا اعتماد ان پر سے اٹھہ گیا ایسا نہیں ہو اور ہونا بھی نہ چاہئے لہذا جن حضرات کا انپر اعتماد ہے وہ ان سے دریافت کریں کہ اندرین صورت ہماری تکلیف کیا ہے اور جنکا اعتماد نہیں ہو وہ نجف اشرف یا قم کی طرف رجوع کریں اور پہر جو احکام انہیں معلوم ہوں انپر سختی کے ساتہہ عامل ہوں فرض کرو کہ اگر سکوت کا حکم ملے تو ساکت ہونا پڑے گا اور اگر یہ حکم ملے کہ جان ، مال ، عزت ، آبرو ، ناموس اولاد ، غرض اپنی کل ہستی معرض تلف میں رکہدو تو رکہنی پڑیگی پہر چون وچرا کی گنجائش نہ ہوگی ۔

چونکہ معاملہ نہایت اہم اور نازک ہو اسلئے " استفتا " بھی ہر شخص مرتب نہیں کر سکتا بلکہ یہ فرض بھی اہل علم ہی ادا کریں تو انسب ہے بلکہ ضروری ہے کہ اہل علم کو ہی یہ فریضہ سپرد کیا جائے وہ اپنی تحریر میں مسئلہ زیر بحث کے تمام ما لہٗ و ما علیہ و ما فیہ پر روشنی ڈال سکتے ہیں ۔

مسئلہ زیر بحث میں یہ امر تو مسلم ہو کہ کسی قانون کے ذریعہ سے نکاح کے واسطے کسی عمر کی تحدید کرنا بالاتفاق شریعت اسلامیہ کے مخالف ہو صرف سوال یہ ہو کہ اگر کوئی حکومت اسلامی ہو یا غیر اسلامی کسی حکم شرعی کو مٹانا چاہے تو اسوقت مسلمانوں کی تکلیف کیا ہے ؟

یہ امر قطعاً ناجائز ہو کہ اس تکلیف کو ہر شخص اپنی جگہ پر مقرر کر بیٹھے ، یہ تکالیف زید و بکر و عمر یا جوش و لاابالی تقریر و تحریر کے ذریعہ مقرر نہیں ہوا کرتیں حکم خدائی حکم ہو جسکو مٹایا جا رہا ہو لہذا ہم خدا و رسول کا ہی حکم اس موقعہ پر معلوم کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہم سے کل کو باز پرس نہ ہو اور فریضہ ادا ہو جائے ۔

مجھے سخت حیرت ہو کہ شیعوں نے اس امر کو کسطرح آسان سمجھ لیا کہ جو شخص چاہے فتوی دیدے مثلاً شیعہ کانفرنس نے رزیولیوشن پاس کیا کہ جبتک ابن سعود کی حکومت ہو حج کو نہ جاؤ ظاہر ہے کہ یہ رزیولیوشن نہیں ہو فتوی ہے ایک صاحب تحریک کر دیتے ہیں اور دوسرے صاحب تائید ، تائید میں امام حسین ؑ کا واقعہ بیان کر دیا جاتا ہو کہ آپنے ایام حج میں مکہ چہوڑ دیا تہا ۔ بس حاضرین کیلئے یہ دلیل کافی تہی استغفر اللہ ۔ کسقدر جرأت ہے ، یہ جرأت اور جاہلانہ جرأت ظاہر ہے کہ جب قوم کا مذہبی مذاق یہانتک بگڑ چکا ہو تو فلاح کی امید کہاں ۔ مجھے رزیولیوشن یا فتوئے مندرجہ بالا پر کوئی رد و قدح منظور نہیں صرف اشارۃً ذکر کیا گیا اور اسلئے کیا گیا کہ سارہ اہل کے معاملہ میں تکلیف عباد کو مقرر کرتے ہوئے ایسے لغویات سے کام نہ لیا جائے معاملہ کو بالکل اہل علم کے سپرد ہونا چاہیے " کلثوم تتہ " اور " باجی سلطانہ " کے فتاوی سے کام نہ چلیگا ۔

(ایڈیٹر)

اس کتاب میں حسب ذیل تیئیس ۲۳ باب ہیں (۱) باب العقل والجہل جسمیں عقل وجہل کی بحث ہے۔ (۲) باب فرض علم ووجوب طلب علم وتشویق الی العلم (۳) باب صفۃ علم وفضیلت علم وعلما (۴) اقسام مردم (۵) ثواب علم وتعلم (۶) صفۃ علما (۷) حق عالم (۸) فقدان عالم (۹) مجالست ومصاحبت باعلما (۱۰) عالم سے سوال اور مذاکرہ (۱۱) بذل علم (۱۲) بغیر علم گفتگو کرنے سے ممانعت (۱۳) بغیر علم عمل کرنے کی حالت (۱۴) علم کا استعمال (۱۵) جو شخص علم کو طلب دنیا اور دوسروں پر مباہات کرنے کیلئے حاصل کرے (۱۶) عالم پر حجۃ الہی لازم ہوچکی ہے اور عالم کا معاملہ نہایت مشکل ہے (۱۷) باب النوادر (۱۸) باب روایت کتب وحدیث وفضیلت کتابت اور تمسک بالکتاب (۱۹) باب التقلید (۲۰) باب بدا ورائے وقیاس (۲۱) کتاب وسنت کیطرف ہر حکم کو رد کرنا اور یہ کہ کوئی حلال یا حرام، یا محتاج انسانی نہیں ہے مگر یہ کہ کتاب وسنت میں اسکا حکم موجود ہے (۲۲) باب اختلاف احادیث (۲۳) شواہد کتاب وسنۃ سے ہر حکم کا اخذ کرنا۔

باب اول عقل وجہل کا بیان

اس باب میں چونتیس ۳۴ حدیثیں ہیں:-

حدیث اول۔ عن الشیخ الجلیل ثقۃ الاسلام سند المحدثین ابی جعفر محمد ابن یعقوب الکلینی قال حدثنی عدۃ من اصحابنا منہم محمد بن یحیی العطار عن احمد بن عیسی عن الحسن بن محبوب سواد عن العلا بن رزین عن محمد بن مسلم بن رباح

عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما خلق اللہ العقل استنطقہ ثم قال لہ اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر فادبر ثم قال وعزتی وجلالی ما خلقت خلقاً ھو احب الی منک ولا اکملتک الا فیمن احب اما انی ایاک امر وایاک انھی وایاک اعاقب وایاک اثیب +

حال رواۃ - اس حدیث کو علمائے فن نے صحیح قرار دیا ہے اور جو راوی اس حدیث میں بیان ہوئے انکی مختصر حالت حسب ذیل ہے۔

محمد بن یحیی عطار - اپنے زمانہ میں اصحاب حدیث کے شیوخ میں شمار ہوتے تھے۔ صاحب نظر تھے۔ ثقہ و معتمد تھے۔ کثیر الحدیث تھے۔

احمد بن محمد بن عیسےٰ بن عبد اللہ بن سعد بن مالک لاحوص (حا و صاد مہملہ) انکی کنیت ابو جعفر ہے۔ قم کے رہنے والے ہیں۔ شیخ قم کہلاتے تھے۔ صاحب وجاہت تھے۔ فقیہ تھے۔ انہوں نے حضرت رضا علیہ السلام سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ اور حضرت ابو جعفر ثانی امام محمد تقی علیہ السلام اور حضرت ابو الحسن العسکری امام علی النقی علیہ السلام کی صحبت سے فیض پایا ہے۔ ثقہ و معتمد تھے۔ صاحب تالیف و تصنیف تھے۔

حسن بن محبوب السراد (زرہ ساز) - انہیں زرادبھی کہتے ہیں۔ ان کی کنیت ابو علی ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ ثقہ ہیں۔ صاحب نظر ہیں۔ انہوں نے حضرت رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ جلیل القدر تھے۔ اپنے زمانے میں ارکان اربعہ میں شمار ہوتے تھے۔ کشی کا بیان ہے کہ ان لوگوں سے جس خبر کی صحت ثابت ہو جائے۔ ہمارے تمام اصحاب نے اسکی صحت پر اعتماد کیا ہے۔ ان کی تصدیق کی ہے اور ان کے فقہ و علم کا سب کو اقرار و اعتراف ہے اور حسن بن محبوب کو انہیں لوگوں میں محسوب کیا ہے اور بعض نے ان کی جگہ حسن بن علی بن فضال کو سمجھا ہے۔

علا بن رزین (بتقدیم رائے مہملہ) ثقہ ہیں۔ جلیل القدر ہیں۔ صاحب وجاہت ہیں۔ محمد ابن مسلم بن رباح۔ کنیت انکی ابو جعفر ہے۔ کوفہ میں سرگروہ اصحاب تھے۔ فقیہ تھے۔ صاحب ورع تھے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ دونوں بزرگواروں سے روایت کرتے تھے۔ اور اوثق الناس تھے۔ معتمد و صاحب وثاقت تھے۔ کشی نے بسلسلہ علا بن رزین عبد اللہ ابن ابی یعفور سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ میں ہر وقت حاضر خدمت ہو نہیں سکتا۔ اور بعض اوقات کوئی مومن آتا ہے۔ مجھ سے

سوال کرتا ہے اور میرے پاس کچھ جواب نہیں ہوتا۔ حضرت نے فرمایا کہ محمد بن مسلم کے پاس جائیے تمہیں کیا شے روکتی ہے انہوں نے میرے پدر بزرگوار سے حدیث سماعت کی ہے اور حضرت کے نزدیک انکی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ابو جعفر قولویہ نے علی ابن اسباط سے انہوں نے اپنے باپ اسباط بن سالم سے انہوں نے حضرت ابو الحسن موسیٰ بن جعفر الکاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ محمد بن مسلم حضرت باقر اور حضرت صادق علیہما السلام کے حواریین میں سے تھے۔ کشی کا قول ہے کہ یہ وہ بزرگوار ہیں کہ گروہ امامیہ جنکی متفق اللفظ تصدیق کرتا ہے اور ان کے فقہ کا مطیع و منقاد ہے۔

ترجمہ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے جب عقل کو خلق کیا تو اسے صاحب نطق قرار دیا۔ پھر اس سے فرمایا کہ سامنے آ۔ وہ سامنے آئی۔ پھر فرمایا کہ پلٹ جا وہ پلٹ گئی پھر فرمایا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم ہے کہ میں نے کوئی ایسی مخلوق خلق نہیں کی جو تجھ سے زیادہ مجھے محبوب ہو۔ میں تجھے اسی میں کامل کرونگا۔ جو مجھے سب سے بڑھکر محبوب ہوگا۔ آگاہ ہو کہ میں تجھی کو حکم کرونگا۔ تجھی کو نہی کروں گا۔ تجھے ہی عقاب کروں گا۔ تجھی ہی ثواب عطا کرونگا۔

شرح۔ گروہ انبیا۔ گروہ حکما۔ اور عوام جب ہم ہر گروہ کے اقوال پر نظر ڈالتے ہیں۔ نہیں بلکہ جب ہم اصل فطرت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عقل ہی وہ جوہر ہے جو انسان کو حیوان سے ممتاز کرتا ہے۔ عقل ہی وہ شے ہے کہ جس کے سبب سے انسان امر و نہی الٰہی نیز قوانین تمدن و سلطنت کا مخاطب ہے۔ عقل پر ہی تکالیف ہیں اور عقل سے ہی تمام باز پرس ہے۔ لا یعقل سے نہ شریعت مخاطب ہوتی ہے نہ قانون سلطنت اسے کسی قسم کی سزا دینے پر آمادہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشرفیت و افضلیت انسانی کے فسانے سب کے سب عقل میں محصور ہیں۔ اور برتری و تفوق انسانی کا راز عقل میں مضمر ہے۔ اگر یہ ہے تو انسان، انسان ہے۔ اگر یہ نہیں تو حیوان بل ھم اضل سبیلا بلکہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔

غرض یہ وہ مسئلہ ہے جو بدیہیات اولیہ میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اب گفتگو اس امر میں ہے کہ اس عالم میں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ انسان حالت طفولیت سے تدریجی ترقی کرتا ہوا جب اس منزل میں قدم رکھتا ہے جسے رشد و بلوغ کہتے ہیں تو اسوقت آفتاب عقل کی شعاعیں اسپر پڑتی ہیں۔ یا یوں کہیے کہ ظہور عقل کے اول وقت سے بلوغ و رشد کی منزل شروع ہوتی ہے۔ اور اسیوقت سے تکالیف شرعیہ اسپر بار کی جاتی ہیں۔ غرض اس عالم میں تمام قوائے انسانیہ کے ظہور اور اجرائے عمل کے بعد عقل کی نمود ہوتی ہے۔ وہ لوگ جنکی نگاہیں محض اسی عالم مادی تک محدود ہیں۔ کہتے

ہیں کہ عقل کوئی اور چیز نہیں ہے۔ بلکہ تفاعلات مادیہ کا یہ بھی ایک نتیجہ ہے۔ لیکن جن کی نگاہیں دوسرے عوالم کی بھی سیر کرتی ہیں۔ اور وہ انسان کو حشرات الارض کی صف میں داخل نہیں کرتے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ جوہر پاکیزہ ظہوراً موخر ہے لیکن وجوداً اسے تقدم حاصل ہے۔ یہی اول مجعولات ہے۔ اور یہی اقرب مخلوقات شمس احدیت کی شعاع اولین یہی ہے اور فیض اول اسی سے عبادت ہے۔ اول مخلوق کی نسبت جسقدر روایات وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً۔ اول ماخلق اللہ نوری سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا۔ اول ماخلق اللہ روحی۔ سب سے پہلے اللہ نے میری روح کو پیدا کیا۔ اول ماخلق اللہ القلم۔ سب سے پہلے خدا نے قلم کو پیدا کیا۔ اول ماخلق اللہ ملک کروبی۔ سب سے پہلے خدا نے ملک کروبی کو پیدا کیا۔ ان روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ عبارا تنا شتیٰ وحسنک واحد۔ عبارتیں اور تعبیرات مختلف ہیں حسن وجمال ایک ہی ہے۔ یہ تمام ایک ہی شے کے اوصاف ہیں۔ ہر اسم ایک صفت خاص کی طرف اشارہ کرتا ہے غرض اسما متعدد ہیں اور مسمی ایک ہے جو عقل ہے۔

تمام موجودات کو جب اولاً جوہر و عرض میں تقسیم کرتے ہیں یعنی ہر موجود یا قائم بالذات ہے۔ یا قائم بالغیر ہے۔ اول کو جوہر کہتے ہیں اور دوسرے کو عرض (رنگ وغیرہ) اس تقسیم کے بعد جب جوہر کی حالت پر غور کی جاتی ہے۔ تو اس کی تقسیم بھی حسب ذیل ہو جاتی ہے۔

(۱) وہ جوہر ہے جو اللہ کے سوا کسی کے دروازے کا فقیر نہیں۔ اس کے جتنے کمالات ہیں سب بلا واسطہ من اللہ ہیں نہ ماسوی اللہ پر اسکی نظر اور نہ ماسوا کی جانب لے التفات۔ وہ مستغرق جمال احدی ہے۔ اور عوالم تحتانیہ پر اس کا کوئی کمال منتظر نہیں ہے اس جوہر کا نام عقل ہے۔

(۲) وہ جوہر ہے کہ اصل وجود میں سوائے خداوند عالم اور کسی کا محتاج نہیں لیکن استکمال وجود میں اسے ماسوی اللہ کی بھی حاجت ہے اور بغیر عالم تحتانی اسکی تکمیل نہیں ہوتی اس جوہر کا نام نفس ہے۔

(۳) وہ وجود ہے جو اصل وجود اور استکمالِ وجود دونوں میں ماسوی اللہ کا محتاج ہے اس جوہر کا نام جسم ہے۔

اس تقسیم میں عقل تمام جواہر کا سرتاج ہے۔ اور اسکے وجود پر خود ذات احدیت دلیل ہے۔ تشریح یہ ہے۔ کہ ذات حق جو بسیط الحقیقتہ ہے۔ عالم ہے۔ قادر ہے۔ جواد ہے۔ فیاض ہے۔ رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ تمام فضیلتوں کی جامع ہے تمام کمالات کا سرچشمہ ہے۔ قوت اسکی شدید۔ قدرت اسکی غیر متناہی۔ تمام خیرات کا منبع اور کل خیر اسکی جانب ہے۔

پس اس کے فیض وجود و رحمت پر نظر کرتے ہوئے ہرگز جایز نہیں ہے کہ اسے بخل سے نسبت دیں۔ وہ عطائے خیرات میں بخل سے کام لے۔ خیرات کا دروازہ بند رکھے۔ فیض و رحمت کے سرچشمہ کو جاری نہ ہونے دے۔ رحمت بے پایاں کے اختتام کا خوف نہیں۔ خزائن کمالات ختم نہیں ہو سکتے۔ پھر بخل و امساک کے معنی کیا؟

خلاصۂ مقال یہ ہے کہ ذات فیاض سے انقطاع فیض نہیں ہوتا۔ اور ضروری ہے کہ اسکا فیضان ظاہر ہو۔ یا یوں کہئے کہ اس کا ظہور ہو آخر اسکا نام ظاہر بھی ہے۔ لیکن اس ظہور فیض میں نظام افضل فالافضل والاشرف فالاشرف کا لحاظ ضروری ہے۔ اور قاعدۂ مسلمہ امکان اشرف جو منقول عقلا ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ وجود اشرف سب سے پہلے ہونا چاہئے اور اشرف مخلوقات عقل ہے۔ لہذا عقل کا وجود سب سے مقدم ہے۔ وہی اشرف ممکنات۔ اکرم مجعولات واول صادرات ہے۔ اور وہی محبوبِ اول ہے۔ وہی مظہر اول وحدت ہے۔

واضح ہو کہ عقل نہ صرف صادر اول و اشرفِ ممکن ہے۔ بلکہ اسمیں جلوہ وحدت بھی ہے۔ حکما کا یہ قول کہ الواحد لا یصدر عنہا الا الواحد۔ اگرچہ مخدوش سہی۔ مگر یہ خدشہ اگر ہے تو طریقہ استدلال میں ہے۔ ورنہ اصل حقیقت میں کلام نہیں۔ صادر اول ایک ہی ہے۔ اس کے بعد اس صادر اول سے دوسری اشیا کا صدور جسطرح حکما ثابت کرتے ہیں وہ خلط و خبط سے خالی نہیں۔ لیکن اول صادر کی یکتائی اور وحدت نہ صرف اہل حکمت کے نزدیک مسلم ہے بلکہ حکما و عرفائے اسلام بھی اسی مسلک کے سالک ہیں۔ چنانچہ بعض عرفا وحدت عقل کے لئے سند درج ذیل آیت کو پیش کرتے ہیں۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباحٌ المصباحُ فی زجاجۃ۔ الزجاجۃُ کانہا کوکبٌ دریٌ یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ ۔ اللہ زمین اور آسمان کا روشن کرنیوالا ہے۔ اس کے نور کی مثال اس چراغ دان کی سی ہے جس میں شمع روشن ہو۔ اور اس شمع پر فانوس بلوریں ہو اور وہ فانوس بلوریں ستارہ تابندہ کی مانند روشن ہو اور وہ شمع شجرۂ مبارک زیتون سے روشن ہو۔

واضح ہو کہ یہ آیت تخلیق عالم کیلئے بطور تمثیل حسنی بیان ہوئی ہے۔ اور اس میں مراتب و مدارج عالم کا ذکر ہے کہ ایک دوسرے سے کسطرح فیض حاصل کرتے ہیں۔ خیال کرو کہ مشکوٰۃ یا چراغدان یہ عالم ارض و سما ہے اس میں روح کا چراغ روشن ہے۔ اس چراغ روح پر نفس انسانی کا فانوس ہے۔ چونکہ نفس جسم و روح کے درمیان برزخ ہے

اور اس میں آثار جسمانیات کے ساتھ ساتھ آثار روحانیت بھی ہیں۔ لہذا چراغ کی روشنی جب اسپر پڑتی ہے تو اسکی بعافیت دور خشکی ہو جاتی ہے اور بڑھجاتی ہے۔ اور یہ چراغ روح شجرۂ مبارکۂ زیتونہ سے نورانیت حاصل کر رہا ہے۔ اس ترتیب و تنظیم سے صاف ظاہر ہے کہ شجرۂ مبارکۂ زیتونہ اصل ہے۔ اس سے چراغ روشن ہے۔ چراغ کی روشنی سے فانوس جگمگا رہا ہے اور فانوس کے وجود سے مشکوٰۃ۔ مشکوٰۃ کہلانے کی مستحق ہے اسی طرح ارواح۔ اس شجرۂ مقدسہ و مبارکہ سے روشنی لے رہی ہیں۔ عالم ارواح سے عالم نفوس یا عالم مثال کا قیام ہے اور عالم نفوس کی بدولت عالم اجسام کا وجود ہے۔ عالم کبیر (عالم) سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر ہم عالم صغیر کا معائنہ کریں جس میں عالم کبیر سمایا ہوا ہے تو بالکل یہی ترتیب نظر آئیگی۔ جسم کی نمود نفس کے ساتھ ہے نفس کی بقا روح سے وابستہ ہے اور روح اس جوہر سے روحانیت حاصل کر رہی ہے جسے اصطلاح قرآنی میں شجرۂ مبارکہ زیتونہ کہا گیا ہے۔ گویا اگر یہ شجرہ نہ ہو تو تمام چراغ گل ہو جائیں۔ تمام فانوس شکستہ ہوں اور تمام چراغدان بیکار و معطل ہو جائیں۔ اب اسی شجرۂ مبارکہ کے متعلق گفتگو ہے اور یہ نہیں ہے مگر صادر اول و مخلوق اول کہ اسکا وجود اور کمال وجود سوائے ذات خالق اور کسی کا محتاج نہیں۔ باقی جسقدر عوالم ہیں۔ وہ سب اس سے فیض پاتے ہیں۔ گویا یہ ایک واسطہ ہے جو بین الحق والخلق واقع ہوا ہے۔ فیضان الٰہی اسی کے توسط سے مخلوق تک پہنچتا ہے یہی شاہد اول ہے اور یہی شہید خلق۔ عقل اسی سے عبارت ہے اور عرفا کے نزدیک روح محمدیؐ حقیقۃ محمدیؐ۔ اسم اعظم۔ صبح ازل۔ ام الکتاب۔ قلم اعلیٰ۔ ولایت مطلقہ۔ تجلی اول۔ برزخیۃ کبریٰ۔ قابلیت اول وغیرہا من الاسمار سب اسی ایک مسمّیٰ کے نام ہیں۔ اور شجرہ میں جو تا ہے وہ تائے وحدت ہے جو اسکی یکتائی پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی وہ شجرہ ایک ہے ایک سے زیادہ نہیں۔

یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ آیت بالا میں ابتدا و انتہا و مراتب وسطےٰ سب بیان کر دئے گئے ہیں ابتدا اللہ سے ہوتی ہے اور مشکوٰۃ یعنی عالم ارض و سما پر فعل تخلیق ختم ہو جاتا ہے اور یہ بھی یونہی کہ جسطرح اللہ سے فوق کوئی عالم نہیں اسیطرح عالم ارضیات کے تحت بھی کوئی عالم نہیں۔

جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ عقل ہی مخلوق اول و صادر اول و مظہر وحدت ہے تو یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سے اقرب و مقرب تر بارگاہ ایزدی میں اور کوئی نہ ہوگا اور جب وہ مقرب الٰہی ہے تو ظاہر ہے کہ وہی محبوب الٰہی ہے۔ لہذا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ تجھ سے بڑھکر اور کوئی مخلوق مجھے محبوب نہیں جیسا کہ متن حدیث میں وارد ہوا ہے۔

اس مقام پر پہنچکر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی تعریفات سے بحث کی جائے اور معلوم کیا جائے کہ عقل کیا چیز ہے اس کی تعریف کیا ہے۔ کن کن معانی میں اسکا استعمال ہوتا ہے اسلئے کہ جب ان معانی پر روشنی پڑ جائیگی۔ تو نہ صرف یہ حدیث بلکہ جسقدر حدیثیں اسباب میں وارد ہوئی ہیں۔ سب کے مطالب روشن ہو جائینگے اور یہ بھی معلوم ہو جائیگا کہ مندرجۂ بالا بیان کون سے معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے سپرد قلم ہوا ہے۔

روایات جو اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ ان سے کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول مخلوق کا نام عقل ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئیگا اور کبھی اس حقیقت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو ملکات نفس و صفات نفس میں داخل ہے۔ کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ امر فطری غریزی مراد ہے کہ جس کے سبب سے انسان حیوان سے ممتاز ہوتا ہے اور کہیں جودت فکر سے اسکا تعلق نظر آتا ہے کہ جس کے سبب سے انسان بہت جلد اپنے نفع کے پہلو سوچ لیتا ہے چاہے وہ امر دنیا کے ہی متعلق کیوں نہو اور کبھی اس کے علاوہ اور بھی معنی اس لفظ سے مستنبط ہوتے ہیں لیکن امر واقعی یہ ہے کہ اسم عقل کئی معنی میں مشترک ہے اور بعض معانی میں بالتشکیک (کمی و بیشی کے اعتبار سے) اس کا استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ معانی حسب ذیل ہیں۔

(۱) اس امر فطری طبعی پر اسکا اطلاق ہوتا ہے جس کے سبب سے انسان اور حیوان میں خاص فرق کیا جاتا ہے اسی سے علوم نظریہ (عقلیہ) کے اکتساب کی انسان میں استعداد پیدا ہوتی ہے اور صناعات فکریہ کی تدبیر اسی قوت سے ہوتی ہے یہ حالت غریزی تمام انسانوں میں یکساں پائی جاتی ہے۔ احمق ہو یا صاحب ذکاوت۔ نائم ہو یا غافل جسطرح کہ حیوان میں حیات پائی جاتی ہے جس کے سبب سے ادراک حسیہ اور حرکات اختیاریہ کا حیوان سے ظہور ہوتا ہے اسی طرح یہ عقل بھی، کہ اس کے سبب سے انسان اکتساب علوم نظریہ (عقلیہ) کے لئے آمادہ و مستعد نظر آتا ہے۔

یہ قول ہرگز صحیح نہیں ہے کہ انسان اور حمار (گدھا) اصل طبیعت و فطرت میں مساوی ہیں اور صرف اتنا فرق ہے کہ عادت الٰہی اسپر جاری ہے کہ انسان میں علوم و فنون خلق فرما دیئے اور حمار و دیگر بہائم کو اس سے محروم رکھا ظاہر ہے کہ یہ قول قول حماری ہے۔ اگر یہ قول صحیح مانا جائے تو پھر یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ حمار اور جمادات میں ازروئے حیات و طبیعت کوئی فرق نہیں صرف بات اتنی ہے کہ خداوند عالم نے ازروئے عادت حیوان میں حرکات اختیاری کو خلق فرما دیا اور جمادات کو اس سے محروم رکھا۔ غرض یہ قول تو لغو و سراسر لغو ہے حقیقت جو ہے وہ ظاہر ہے کہ حیوان

میں ایک امر طبعی فطری ایسا موجود ہے کہ حرکات ارادیہ اس کے تابع اور اس کے آثار میں سے ہیں۔ اسی طرح انسان
میں یہ حالت طبعی فطری غریزی موجود ہے کہ اکتساب علوم و تدبیر فنون سب اسی کے آثار و اظلال ہیں جسطرح آئینہ
صقالت و شفافیت کی وجہ سے تمام اجسام میں ممتاز ہے جسطرح آنکھ تمام اعضاء سے امتیاز رکھتی ہے۔ اسی طرح
اس قوت کو انکشافِ علوم سے وہی نسبت ہے جو آئینہ اور آنکھ کو صورِ الوان و مرئیات سے۔ حکمانے دلائل و براہین کی
کی بحث میں عقل کے یہ معنی استعمال کئے ہیں اور اس سے مراد نفس کی وہ قوت ہے جسکے سبب سے مقدمات صادقہ
ضروریہ کا بغیر فکر و قیاس بالطبع یقین حاصل ہوتا ہے اور انسان کو شعور بھی نہیں ہوتا کہ یہ یقین کہاں سے حاصل ہوا
اور کیونکر حاصل ہوا۔ اس معنے کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ عقل سے مراد یہاں وہ جزو نفس ہے جسکے
سبب سے اوائل علوم اور مبادیات حاصل ہوتے ہیں۔

(۲) تمام متکلمین یا اکثر کے اقوال اور انکی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل سے مراد ان کے نزدیک علوم ضروریہ ہیں
مثلاً ایک اور ایک مل کر دو ہوتے ہیں۔ دو ایک سے دوگنا ہوتا ہے۔ ایک جسم دو حیز میں نہیں ہوتا۔ یا ایک حیز میں دو جسم نہیں
سما سکتے انہیں امور کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ عقلاً یہ امر واجب ہے یا عقل اسکی نفی کرتی ہے غرض ان کے
نزدیک علوم ضروریہ پر عقل کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۳) جب انسان کسی شئے کا اعتقاد کرتا ہے اور کسی امر کا اسے تجربہ ہوتا رہتا ہے تو اس اعتقاد یا تجربے سے جو
حالت ارادی نفس میں پیدا ہوتی ہے اور جو قضایا و نتائج اس اعتقاد و تجربے کی بنا پر نفس میں نقش ہوتے ہیں اور اسطرح
کہ انسان ان کے ترک و اختیار پر قادر ہے تو اس حالت کا نام کتب اخلاق کی اصطلاح میں عقل ہے یہ عقل طول عمر کے
ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے عرف میں ایسے اشخاص کو عاقل کہا جاتا ہے۔ اس عقل میں اتنا ہی تفاوت اور تفاضل ہوتا ہے
جتنا خود انسانوں میں۔

(۴) عام انسانوں کی اصطلاح میں اسے عاقل کہتے ہیں جو بہت جلد اپنے فائدے اور نقصان کو سوچ لے
چاہے وہ اغراض دنیوی اور خواہشات نفس امارہ کے متعلق کیوں نہو۔ پس جس کی فکر معاملات میں جید ہو اور فہم تیز و تند
اہل دنیا اسے عاقل کہتے ہیں اور اس فکر و فہم کا نام عقل ہے۔ اسی لئے معاویہ کا نام عقلا کی فہرست میں لکھا گیا ہے۔
لیکن اہل حق کے نزدیک اس حالت اور اس قوت کا نام نکرا۔ شیطنۃ۔ دہا۔ وغیرہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نفس انسانی

حسب منشاء دنیوی عالم حرکات ہی سے تعلق رکھتا ہے اور جب کسی انسان میں بالطبع جز و ناری کا غلبہ ہو جس کی شان سرعت حرکت و قوت اشتعال ہے۔ ہر وقت شعلہ وری اسکا خاصہ ہے تو اس قسم کا نفسِ ناری شیطان سے مشابہت تامہ رکھتا ہے مکر و حیلہ بہت جلد سوچتا ہے بلکہ سوچتا ہی رہتا ہے۔ قیاس فاسدہ بہت جلد اس کے دماغ میں آتے ہیں بلکہ آتے ہی رہتے ہیں۔ استبداد رائے اسکا خاصہ ہوتا ہے۔ دوسروں پر تفوق و برتری کی تدبیریں اسکے سامنے آتی رہتی ہیں۔ دوسروں کو اغوا کرنے میں اسے کمال ہوتا ہے اور غوایت و گمراہی اس کی طبیعت ہوا کرتی ہے۔ بخلاف نفوس نوریہ مطمئنہ کے جو بالطبع مطمئن ہیں۔ خلقت انکی جوہر عالی سے ہے۔ وہ ہر وقت ملکوت اعلیٰ کے اثرات سے منفعل ہیں۔ امور دنیا میں ان کا توکل و اعتماد خدا پر ہے۔ قوت فکریہ کو وہ حسب ضرورت اور ارادۃً استعمال کرتے ہیں۔ بخلاف شخص اول کے کہ اس کی قوت فکریہ خود بخود بالطبع مشغول رہتی ہے اسلئے ایسے لوگ نہ مکار ہوتے ہیں اور نہ بلید و غبی الذہن۔ خیر الامور اوسطہا۔ پس اسحالت کا نام عقل ہے اور علمائے اخلاق اسحالت کو عقل سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ حالت بھی جز نفس انسانی ہے جسطرح حالت اول جسکا ذکر کتب معقولات میں آتا ہے اور جسکی طرف سابقاً اشارہ کیا گیا۔

(۵) کتاب النفس میں۔ نفس کے مراتب اربعہ کا جو ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بھی ہر ایک مرتبہ کو عقل سے تعبیر کرتے ہیں جنکی تشریح حسب ذیل ہے۔

اول۔ عقل بالقوۃ۔ یہ مرتبہ قوت نفس بلکہ بحسب حالت اولین خود نفس ہے۔ اسحالت میں نہ نفس میں کوئی کمال ہوتا ہے نہ اسمیں کسی صورت کمالی عقلی کا جلوہ ہوتا ہے نہ اس میں استعداد قریب ہوتی ہے غرض وہ بالکل سادگی کا عالم ہے۔ سوائے حس و حرکت وادنی مرتبہ حیوانیت اور کسی شے کی نمود نہیں ہوتی۔ ہاں اسمیں یہ قوت ہوتی ہے کہ بالتدریج تحصیل علوم و اکتساب فنون کر سکے۔

دوم۔ عقل بالملکہ۔ یہ ایک قوت نفس بلکہ خود نفس ہے کہ جب علوم بدیہیہ اسے حاصل ہو جاتے ہیں اور ادراک کا پہلی منزل طے کر لیتا ہے تو موجودات کی صورتیں جو مواد خارجیہ سے منتزع اور حاصل ہوتی ہیں۔ اس میں نقش ہو جاتی ہیں اور اسکے ساتھ اسطرح متحد ہو جاتی ہیں جیسے مادہ سے صورت۔

سوم۔ **عقل بالفعل**۔ یہ وہ مرتبہ نفس بلکہ خود نفس ہے جس میں کہ تمام یا اکثر معقولات اس سے متحد ہوتے ہیں گویا عقل و عاقل و معقول اس مرتبہ میں علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ اس اتحاد سے ذات و وجود نفس میں کثرت نہیں

ہوتی بلکہ صرف مفہومات و معانی میں کثرت نظر آتی ہے۔

چہارم عقل مستفاد۔ یہ وہ مرتبہ نفس بلکہ خود نفس ہے کہ ایسا انسان جب چاہے ان معقولات موجودہ کو بالتفصیل حاضر کرے اسمیں نہ اسے غور و فکر کی حاجت ہے نہ کسب جدید کی اسلئے کہ وہ تو پہلے ہی خزانہ میں جمع ہیں جیسے انسان جب چاہے اپنی ہستی اور اپنے وجود کو جان لے اور سمجھ لے کہ میں ہوں

(۶) کتب الٰہیات و معرفت الٰہی میں جب عقل کا ذکر آتا ہے تو اس سے مراد وہ جوہر ہے جسے سوائے اپنے مبدء کے جو حی قیوم ہے اور کسی سے تعلق نہیں نہ اس کے لئے کوئی موضوع ہے جسکی بنا پر اسے عرض کہہ سکیں نہ اسکا مادہ سے تعلق ہے جو اسے صورت کہا جائے نہ وہ نفس کی طرح بدن سے متعلق ہے۔ نہ اسکا کوئی کمال بالقوۃ ہے بلکہ تمام کمالات اس کے بالفعل ہیں۔ نہ اسمیں حالت عدمی ہے اور نہ امکان و قصور کے پہلو بلکہ تمام نقصانات کا جبر وجوب وجود حق سبحانہ سے ہو چکا اسی لئے اس کے عالم کو عالم جبروت کہتے ہیں۔ یہ سطوت نور احدیت میں محجوب ہے۔ اور شعاع قومیت اسے احاطہ کئے ہوئے ہے یہی امر اللہ ہے اور یہی کلمۃ اللہ ہے۔ یہی صادر اول ہے اور یہی واجب بالغیر

واضح ہو کہ معانی عقل کی یہ تشریح صدر المتالہین علامہ صدر الدین شیرازی علیہ الرحمۃ کی شرح سے ماخوذ ہے اور ان کے نزدیک اس حدیث میں جو عقل کا ذکر آیا ہے اس سے معانی سادس مراد ہیں اور بعض آئندہ حدیثوں میں بھی جنکا ذکر آگے آئیگا۔ لیکن یہ بحث ناتمام رہیگی جب تک اسکا دوسرا پہلو واضح نہ ہو جائے۔

نقاد اخبار اہلبیت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جب تک معانی عقل کی توضیح نہ ہو اسوقت تک اخبار ابواب عقل کی فہم دشوار ہے چنانچہ یہ توضیح حسب ذیل ہے۔

(۱) ازروئے لغت عقل کے معنی تعقل اشیاء و فہم ہیں اور اصطلاح میں اسے نور بھی کہا جاتا ہے۔

(۲) قوت ادراک خیر و شر کا نام عقل ہے۔ اس قوت کے سبب سے انسان اچھے برے میں امتیاز کرتا ہے اپنے امور کو انجام دیتا ہے اور ان کے اسباب مہیا کرتا ہے اس معنی میں عقل مناط تکلیف و ثواب و عقاب ہے۔

(۳) عقل سے مراد وہ ملکہ اور حالت نفسانی ہے جو انسان کو خیرات و منافع کے اختیار پر مائل کرتی ہے اور شرور و مضرات سے روکتی ہے۔ اس کے سبب سے انسان دواعی شہوانیہ و غضبیہ اور وساوس شیطانیہ سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور انپر قابو حاصل کرتا ہے یہ حالت آیا پہلی ہی حالت ہے کہ وقت کمال اسکی یہ شان ہوتی ہے یا دوسری

صفت ہے؟ یہ دونوں باتیں محتمل ہیں اکثر لوگوں میں اس امر کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ بعض امور کی خوبی کا حکم لگاتے ہیں مگر انہیں عمل میں نہیں لاتے اسی طرح بعض امور کی بدی کا اعتراف کرتے ہیں لیکن انہیں میں محو و مستغرق ہیں۔ اس مشاہدہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خیر و شر کا علم اور چیز ہے اور یہ حالت دوسری شے ہے۔

(۴) تتبع اخبار ائمہ علیہم السلام سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہر شخص مکلف میں ایک قوت و استعداد عطا کی ہے جس کے ذریعے سے وہ نفع اور نقصان کو پہچان سکے۔ اگرچہ یہ قوت مکلفین میں مختلف اور متفاوت ہے۔ لیکن اسکا ادنے درجہ مناط تکلیف ہے۔ جسکے سبب سے ایک صحیح دماغ انسان اور مجنون میں امتیاز ہوتا ہے۔ اسی قوت کے اختلاف درجات کی بنا پر تکلیف بھی مختلف ہے۔ چنانچہ جسقدر یہ قوت زیادہ ہوگی اسیقدر تکلیف بھی زیادہ ہوگی یہ قوت ہر شخص میں اسکے علم و عمل کی استعداد کے موافق کامل یا ناقص ہوا کرتی ہے۔ انسان جسقدر علوم حقہ نافعہ کی تحصیل میں سعی اور موافق علم عمل کرتا ہے اسیقدر یہ قوت ترقی کرتی ہے اور زیادہ ہوتی ہے پھر علوم بھی مراتب نقص و کمال میں متفاوت ہیں اور جسقدر علم نافع ترقی کرتا ہے۔ اسیقدر اسکے آثار بھی ظاہر ہوتے ہیں اور وہ علم عالم کو عمل پر آمادہ اور برانگیختہ کرتا ہے۔ اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ ان کا علم مبدء و معاد اور تمام ارکان ایمان کے متعلق صرف علم تصوری ہی ہے جسکا نام تصدیق رکھا گیا ہے حالانکہ اسے تصدیق سے کوئی تعلق نہیں اور اگر تصدیق ہے بھی تو محض ظنی یا اضطراری اسی لئے جس امر کا دعوی کرتے ہیں اسپر عمل نہیں کرتے اور جب علم کامل ہوتا ہے اور درجہ یقین تک پہنچتا ہے تو یقیناً انسان کو ہر لحظہ عمل کا حکم دیتا ہے۔

(۵) عقل سے مراد وہ قوت ہے جسے لوگ اپنے امور معاش کے نظم و انتظام کیلئے استعمال کرتے ہیں یہ قوت اگر قانون شرع کے بموجب استعمال کی جائے تو اسے عقل معاش کہتے ہیں اور یہ ممدوح ہے اور اگر امور باطلہ و حیلہ ہائے فاسدہ میں صرف کی جائے تو زبان شریعت میں اسے نکرا اور شیطنۃ کہتے ہیں۔

(۶) استعداد نفس و تطرقات نفس و مراتب نفس پر بھی عقل کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ نفس کے چار مرتبے ثابت کرتے ہوئے ان کے حسب ذیل نام تجویز کئے گئے ہیں۔ عقل ہیولانی یا بالقوۃ۔ عقل بالملکہ۔ عقل بالفعل عقل مستفاد اور کبھی خود نفس پر ہر مرتبہ میں اسکا اطلاق ہوتا ہے۔ جسکی تفصیل اپنے مقام میں مذکور ہے ان تمام اقوال کے ملاحظے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عقل ایک قوت واحد ہے اور اپنے متعلقات اور مواضع کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

لیکن نفس ناطقہ انسانیہ جس سے انسان حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے اسپر جو حکما عقل کا اطلاق کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک جوہر مجرد ہے قدیم ہے اسے مادہ سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ ازروئے ذات نہ ازروئے فعل۔ اس قول سے بہت سے ضروریات اسلام کا انکار لازم آتاہے۔ جیسے حدوث عالم وغیرہ۔

واضح ہو کہ یہ امر اپنے مقام پر بدلائل وبراہین۔ قطعیہ ثابت ہوچکا ہے کہ تعدد قدما باطل اور قطعاً باطل ہے۔ کوئی شخص جو وجود باری یا بالفاظِ دیگر وجود مبدء کا قائل ہو وہ سوائے اس مبدء کے اور کسی شے کو اس معنی میں قدیم نہیں مانسکتا کہ وہ خود بخود قائم ہے یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ جس شے کیلئے مبدء تسلیم کیا جائے اور اسے مخلوق فرض کیا جائے تو پھر اس کے لئے قدم بالذات کا ثابت کرنا ایک مضطرب دماغ کا کام ہوسکتا ہے۔ ہاں گفتگو اس امر میں ہے کہ عالم یعنی ماسوئ اللہ خواہ عالم عقول ہو یا عالم ارواح یا عالم نفوس یا عالم اجسام سب ایکدفعہ ہی خلق ہوگئے یا ان میں تدریج پائی جاتی ہے۔ عالم خلق جس میں ہم زندگی بسر کررہے ہیں۔ اسمیں تو تدریج ایسی ظاہر ہے کہ جس کا انکار محض سفسطہ ہوگا اس مقام پر اقوال حکمائے مادئیں سے متمسک ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ حکیم ربانی حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات خصوصاً خطبہ اولی (نہج البلاغہ) متعلق خلقت سموات وارض اس مطلب پر دلیل صریح ہے اس کے بعد یہ بحث بھی صاف ہوجاتی ہے کہ آیا عالم اجسام سے پہلے خلقتِ عالم ارواح ہے یا بعد نہ صرف اقوال مشائیں واشراقیین بلکہ شریعت مقدسہ کے ارشادات اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ عالم ارواح کا وجود مقدم ہے۔ خلق الارواح قبل الاجسام۔ معروف ومشہور ہے۔ اور اولیت وقبلیت ارواح کے اشارے ارشادات نبوی وآئمہ علیہم السلام میں موجود ہیں اور جب دوسرے دلائل کی روشنی میں اس مسئلہ کو دیکھا جائے تو قطع حاصل ہوسکتا ہے۔

اب اس امر کو جانچنا چاہیے کہ ارواح کو کیوں تقدم حاصل ہے۔ اسکے لئے ہمیں اول بطور مقدمہ اس امر کو مان لینا چاہیے کہ امور الہی عبث ولغو نہیں ہیں۔ اس نظام میں حکمت الہی کا کامل ظہور اور جلوہ موجود ہے۔ جب یہ امر مسلم ہے تو اب مان لینا پڑے گا کہ تقدم ارواح ضرور بغیر کسی مصلحت حکیمانہ کے نہ ہوگا۔ یہ حکمت کیا ہے؟ اگرچہ عقل کے لئے سزاوار ہے کہ ایسے مقامات میں عجز کا اعتراف کرے لیکن یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہوسکتا کہ عالم ارواح بہ نسبت عالم اجسام چونکہ اشرف ہے لہذا اس اشرفیت پر نظر رکھتے ہوئے اسے مقدم ہونا چاہیے اور جب تقدم کی علت اشرفیت وشرافت قرار پائے گی تو اسی طریقہ پر سالک ہوتے ہوئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ عالم ارواح میں بھی چونکہ شدت

وضعف و مراتب مدارج موجود ہیں۔ لہذا فوق ارواح جو روح فرض کی جائے اسے عالم تحتانیہ پر ذاتاً و ظہوراً تقدم حاصل ہوگا۔ یہ بالکل ایک سیدھی سادھی گفتگو ہے۔ جس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی کہ خواہ مخواہ ذہن پریشان ہوں۔

خیر اسمیں تو کچھ بحث نظر نہیں آتی۔ ہاں خدشات جہاں لاحق ہوتے ہیں وہ منزل یہ ہے کہ متکلمین کا دعویٰ ہے کہ خدا اور مخلوق کے درمیان ایک مدت ضرور تسلیم کرنی چاہیے۔ حکمائے اسلامیین کی تحریرات اور پیچیدہ تحریرات کا خلاصہ محض اور لب لباب یہ ہے کہ جو وقت آپ فرض کریں۔ اسپر نظر کرتے ہوئے ذات مستجمع جمیع صفات کمال۔ منبع فیض غیر تناہی۔ فیاض مطلق کیلئے تعطیل لازم ہے۔ اس مدت کے لئے اسے معطل ماننا پڑے گا۔ یہود کا یہ قول کہ "ید اللہ مغلولۃ" اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں کسی حالت میں بھی درست نہیں۔ بل یداہ مبسوطتان۔ اس کے ہاتھ اور دست جلال وجمال۔ ازلاً وابداً مبسوط ہیں کشادہ ہیں گروہ اول کہتا ہے کہ اگر یہ قول تسلیم کرلیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ذات خداوند عالم فاعل موجب ہے۔ فاعل مضطر ہے جماعت ثانی کہتی ہے کہ یہ وہم ہے۔ جس ذات سے شدت کمال کی بنا پر افعال صادر ہوتے ہوں۔ اور اختیار خود اس کے کمالات میں سے ایک کمال ہو اسپر ایجاب واضطرار کا شبہ ایک عجیب و غریب شبہ ہے۔ گروہ اول کا قول ہے کہ ان اقوال سے قدم عالم لازم آتا ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں قدیم بالذات کوئی نہیں ہوسکتا۔ جسطرح واجب بالذات سوائے ذات احدیت کوئی نہیں مرتبۂ وجوب بالغیر اور چیز ہے اسے قدم بالذات سے کوئی تعلق نہیں پہلوں کا قول ہے کہ کان اللہ ولم یکن شیئ" اللہ تہا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تہی۔ پہر اس سے سلسلۂ خلقت شروع ہوا۔ دوسرے کہتے ہیں۔ بالکل صحیح ہے کہ اللہ تہا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تہی۔ مگر وہ آج بھی ویسا ہی ہے۔ جیسا پہلے تہا۔ اس کی ذات محل حوادث و محل تغیر نہیں ہوسکتی۔ آج کون اسکے ساتھ معیت کا دعویٰ کرسکتا ہے۔

غرض یہ ایک دلچسپ بحث ہے مگر نہیں چاہیے کہ دونوں کے اقوال کو دیکھیں اور خاموش گزر جائیں۔ ہم کو اتنا ضرور تسلیم کرلینا پڑے گا کہ اللہ سب کا خالق ہے اور باقی اس کے مخلوق ہیں اس جھگڑے میں جانے کی ضرورت کیا کہ خالق اور مخلوق اول کے درمیان آیا زمانہ ہے یا نہیں اور نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟ اور اگر ہے تو موہوم ہے یا موجود۔ اگر موہوم ہے تو موہوم لیس بشئ۔ یہ کوئی چیز نہیں ہے وہم ہی وہم ہے اور اگر موجود ہے تو مخلوق اول کو اول نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ اس سے قبل زمانے کا وجود ماننا پڑے گا۔ جب مانے کا وجود تسلیم ہوگیا تو مخلوق اول زمانے کو کہئے پھر زمانہ کیا

ہے؟ گردش فلکی یا گردش ارضی سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔ لہذا یہ تسلیم کرلیجیے کہ اول مخلوق زمین و آسمان ہیں لیکن احادیث دلالت کررہی ہیں کہ اس جوہر اول کی خلقت کے وقت نہ زمین تھی نہ آسمان تھا، نہ سورج تھا نہ چاند تھا۔ عجب نہیں کہ انہیں مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے میر باقر داماد علیہ الرحمۃ نے قول ″حدوث دہری″ اختیار کیا۔ غرض یہ مبحث اس فن کی کتابوں میں اپنے مقام پر بالتفصیل مذکور ہے ہمیں اس میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ معانی عقل کی توضیح کے بعد جو مذکور ہوئی فرماتے ہیں کہ اس باب (عقل وجہل) میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے اکثر پہلے دو معنی مذکورہ میں آئی ہیں خصوصاً دوسرے معنی (مناط تکلیف) میں اکثر واظہر ہیں۔ اور بعض اخبار میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے۔ اور بعض اخبار میں عقل کا اطلاق علم نافع پر ہوتا ہے۔ جو مورث نجات ہے اور مستلزم سعادات۔ گویا صدر المتالہین کے نزدیک اس حدیث میں عقل سے مراد جوہر اول ہے۔ اور علامہ مجلسی کے نزدیک قوت تعقل وفہم اور قوت تمیز خیر وشر۔ اب ہم ہمیں کیا کہیں۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب ؏

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ یہ جوہر اول جسے باصطلاح حکماء عقل کہتے ہیں اور شریعت مطہرہ میں اسے نور محمدی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر یہ دونوں ایک ہی چیز مان لی جائیں تو کیا نقصان ہے اسبارے میں اولاً علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی اصل عبارت نقل کرکے اس سے استشہاد کیا جاتا ہے۔

اما المعنی السادس فلو قال احد بجوہر مجرد لا یقول بقدمہ ولا یتوقف تاثیر الواجب فی الممکنات علیہ ولا بتاثیرہ فی خلق الاشیاء ویسمیہ العقل ویجعل بعض تلک الاخبار منطبقا علی ماسماہ عقلاً فیمکنہ ان یقول ان اقبالہ عبارۃ عن توجہہ الی المبدء وادبارہا عبارۃ عن توجہہ الی النفوس لاشراقہ علیہا واستکمالہا بہ۔ فان عرفت ذلک فاسمع لما یتلی علیک من الحق الحقیق بالبیان وبان لاتبالی بما یشمئز عنہ من ناقص الاذہان فاعلم ان اکثر ما اثبتوہ لہذہ العقول قد ثبت لارواح الائمۃ فی اخبارہم المتواترۃ علی وجہ آخر فانہم اثبتوا القدم للعقل وقد ثبت التقدم من الخلق لارواحہم اما علی جمیع المخلوقات

او علی سائر الروحانیین فی اخبار متواترۃ وایضاً اثبتوا لها التوسط فی الایجاد والاشتراط فی التاثیر وقد ثبت فی الاخبار کونهم علۃ غائیۃ لجمیع المخلوقات وانہ لولاهم لما خلق اللہ الافلاک وغیرها واثبتوا لها کونها وسائط فی اضافۃ العلوم والمعارف علی النفوس والارواح وقد ثبت فی الاخبار ان جمیع العلوم والحقائق والمعارف بتوسطهم تفیض علی سائر الخلق حتی الملئکۃ والانبیاء والحاصل انہ قد ثبت بالاخبار المتفیضۃ انهم الوسائل بین الخلق والحق فی افاضۃ جمیع الرحمات والعلوم والکمالات علی جمیع الخلق فکلما یکون التوسل بهم والاذعان بفضلهم اکثر کان فیضان الکمالات من اللہ اکثر ولما سلکوا سبیل الریاضات والتفکرات مستبدین بآرائهم علی غیر قانون الشریعۃ المقدسۃ ظهرت علیهم حقیقۃ هذا الامر ملتبساً مشتبهاً فاخطؤا فی ذلک واثبتوا عقولاً وتکلموا فی ذلک فضولاً فعلی قیاس ما قالوا یمکن ان المراد بالعقل نور النبی الذی انشعبت منہ انوار الائمۃ ؎

ترجمہ۔ معنی وساوس (اقبال وادبار) جو شخص جوہر مجرد کا قائل ہے مگر اسکے قدم کا قائل نہیں اور نہ یہ سمجھتا ہے کہ واجب کی ممکنات میں تاثیر اسپر موقوف ہے اور نہ خلقت اشیا میں اس جوہر کا کوئی اثر ہے نہ تاثیر وہ اس جوہر مجرد کا نام عقل رکھتا ہے۔

اور بعض اخبار کو اسی پر منطبق کرتا ہے اس کے لئے یہ قول بھی ممکن ہے کہ عقل کو مخاطب کرتے ہوئے خداوند عالم نے جو اقبال (سامنے آنے) کا حکم دیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے مبدء کی طرف متوجہ رہ۔ اور ادبار سے اس کے نزدیک یہ مراد ہو سکتی ہے کہ نفوس کی طرف متوجہ ہو۔ تاکہ وہ انکو روشنی پہنچائے اور وہ اس سے کمال حاصل کریں جب تو نے یہ جان لیا تو اب وہ بیان اور حقانی بیان سن جو تجھپر تلاوت کیا جاتا ہے اور ہرگز اسکی پروا نکر کہ ناقص الذہن لوگ اس سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ ان لوگوں (حکما) نے جو باتیں عقول عشرہ کیلئے ثابت کی ہیں وہ بطور اکثریت اخبار متواترہ آئمہ میں دوسرے طریق سے ارواح ائمہ کے لئے ثابت ہیں۔ وہ لوگ (حکما) عقول کیلئے قدیم ہونا ثابت کرتے ہیں اور اخبار متواترہ میں تمامی مخلوقات اور روحانیین پر ارواح آئمہ علیہم السلام کے لئے تقدم ثابت ہے۔ وہ (حکما) ثابت کرتے ہیں کہ ایجاد عالم میں عقول کا واسطہ پڑا ہوا ہے اور تاثیر فیض کیلئے ان کا وجود شرط ہے اور اخبار متواترہ سے ثابت ہے کہ آئمہ علیہم السلام تمام مخلوقات کے لئے علت غائی ہیں اگر وہ نہوتے تو خدا آسمانوں کو خلق نہ کرتا۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ نفوس ارواح

پر فیضان علوم و معارف عقول کے توسط سے ہوتا ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ تمام علوم و حقائق و معارف کا آئمہ علیہم السلام کے توسط سے تمام مخلوقات پر حتی کہ انبیاء و ملائکہ پر فیضان ہوتا ہے۔ حاصل امر یہ ہے کہ اخبار مستفیضہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ آئمہ علیہم السلام خداوند عالم اور اسکی مخلوق کے درمیان تمام رحمات اور علوم اور کمالات کے افاضہ کیلئے وسائل ہیں اور جسقدر ان کے فضائل کا یقین زیادہ ہوگا۔ اسیقدر فیضان کمالات میں ترقی ہوگی۔ ان حکماء کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے خلاف قانون شریعت ریاضات کیں۔ تفکر و غور سے کام لیا مگر خود رائی کے ساتھ لہذا ان پر یہ حقیقۃ ظاہر تو ہوئی مگر اشتباہ و التباس کے ساتھ عقول کو ثابت کیا اور کلام فضول میں مبتلا ہوئے۔ اور ان کے قیاس پر نظر کرتے ہوئے ممکن ہے کہ عقل سے نور نبی صلی اللہ علیہ و آلہ مراد لیا جائے جس سے کہ انوار آئمہ علیہم السلام منشعب ہوئے ہیں۔

اس عبارت سے چند مطالب برآمد ہوتے ہیں۔

مطلب اول۔ علامہ کے نزدیک قول تجرد اس بناء پر صحیح ہو سکتا ہے جب کہ قدم کے قائل نہوں اور ممکنات میں ذات واجب کی تاثیر اسپر معلق و متوقف نہ سمجھی جائے اور نہ یہ سمجھا جائے کہ خلقت اشیاء میں اسکا بھی کوئی اثر ہے۔

واضح ہو کہ مسئلہ تجرد میں علمائے شیعہ کے دو گروہ ہیں ایک گروہ تجرد کی نفی کرتا ہے اور دوسرا گروہ نفس ناطقہ انسانی کو مجرد تسلیم کرتا ہے۔ ہر دو گروہ کے دلائل اپنے مقام پر مذکور ہیں۔ علامہ کا مسلک اس مسئلے میں بین بین نظر آتا ہے۔ چنانچہ ہمیں یاد پڑتا ہے کہ علامہ اپنی بعض تالیفات میں اس مسئلہ کے متعلق اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قائلین قول تجرد کی تکفیر محض تحکم ہے۔ اور یہ بھی یونہی کہ قول تجرد اختیار کرنے والے اساطین مذہب ہیں اگر غلغلۂ تکفیر کو ذرا اہمیت دی جائے تو اولین و آخرین میں بہت ہی کم ہستیاں رہ جائیں گی جنہیں مسلم کہہ سکیں۔ خیر یہ ڈگی تو مسلمانوں کے ہر طبقہ میں رہتی چلی آئی ہے۔ چنداں قابل توجہ نہیں۔

اس عبارت میں علامہ نے قول تجرد کو چند شرطوں سے مشروط کیا ہے۔ مثلاً اسے قدیم نہ سمجھا جائے اور تاثیر واجب اس پر منحصر نہ خیال کی جائے۔ یہ شرطیں جہاں تک خیال کیا جا سکتا ہے شدت احتیاط پر مبنی ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ حکمائے اسلامیین متفقاً تعدد قدما کو باطل کرتے ہیں جس کے دلائل کتب فن میں موجود ہیں۔ جیسا کہ سابق میں بھی ہم نے اشارہ کیا ہے پھر وہ کسی اور کو قدیم کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اب رہا امر دوم یعنی ممکنات میں تاثیر واجب کا کسی شے پر منحصر ہونا۔ اسکے متعلق مندرجہ ذیل گزارش مناسب معلوم ہوتی ہے۔